دار العلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک کا
علمی و دینی مجلہ
الحق
ماھنامہ
بیاد
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ
بانی دار العلوم حقانیہ
مدیر مسئول
مولانا سمیع الحق

O ye who believe! Fear God as
He should be feared, and die not
except in a state of Islam. And
hold fast, all together, by the
Rope which God stretches out
for you, and be not divided
among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

اس شمارے کے مضامین

انتخاب، احتساب یا انقلاب — (اداریہ) — ۲

دین کے اصول ثلاثہ — قاری محمد طیب صاحب — ۷

نبی اکرمؐ کا تصور بیورو کریسی — ڈاکٹر لیاقت علی خان — ۱۳

قرآن کا فلسفہ عشق و محبت اور ہم — محمد یونس میو — ۱۸

ہجرت اور اسلامی سلطنت — پروفیسر اشفاق بیگم — ۲۹

اقبال کی علمی جستجو — مولانا حبیب ریحان ندوی — ۳۳

دارالعلوم حقانیہ کا جلسہ دستار بندی — مولانا عبدالرشید ارشد — ۳۹

اسلامی تہذیب — منشی پریم چند — ۴۹

اسلامی دنیا کو مغربی تہذیب کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش — محمد اقبال رنگونی — ۵۵

دارالعلوم کے شب و روز — عبدالوہاب مروت

پاکستان میں سالانہ ۱۲۰ روپے فی پرچہ ۱۲ روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۱۲ پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۲۰ پونڈ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقش آغاز

انتخاب' احتساب یا انقلاب ؟

گذشتہ نومبر کو موجودہ صدر جناب فاروق لغاری صاحب نے بے نظیر حکومت کو ۵۸۔۲ بی کے تحت ختم کر کے قوم کو احتساب کا ایک پرفریب "مژدہء جانفزا" سنایا تھا جس پر تمام پاکستانی قوم نے انتہائی خوشی کا اظہار کیا۔ کہ اب ہماری قوم کے دن پھرنے والے ہیں۔اور حقیقی معنوں میں چور لٹیروں اور کرپٹ عناصر کا قلع قمع کیا جائے گا۔لیکن

نہ تم بدلے نہ ہم بدلے نہ دل کی آرزو بدلی
میں کیسے اعتبار انقلاب آسماں کر لوں

کے مصداق سب کچھ ویسے کے ویسا ہی رہا۔نہ احتساب ہوا نہ چور پکڑے گئے اور نہ انقلابی اقدام اٹھائے نہ اقتصادی زبوں حالی کا رونا رونے والے کام آئے۔اور نہ ہی قوم وملک کے ساتھ بلند بانگ دعوے اور نہ ہی عوام کو اس قعر مذلت سے نکالنے والوں نے کوئی موثر اقدام کیا۔اور نگران صرف انتخاب اور الیکشن الیکشن کا ورد کرتے رہے۔ گویا کہ یہ قرآنی نص ہو۔کہ خواہ مخواہ نوے دن میں الیکشن ی او ر آئینی تقاضا ہے،ہمارے خیال میں مملکت پاکستان میں صرف یہی دفعہ نہیں بلکہ اور بھی بہت سی قابل عمل اور قابل توجہ دفعات اور قوانین ہیں۔جن پر عمل در آمد کرانا بھی ان نگرانوں کا آئینی فریضہ ہے۔ آخر ہم پوچھتے ہیں کہ آیا یہ انتخابات ہماری مظلوم اور مقہور قوم کے ر ِ عوں کا مداوا ہو سکتے ہیں۔؟اور اس کے نتیجے میں کیا ان کو کوئی مسیحامل سکے گا۔اور کیا یہ مقروض اور مہنگائی کی چکی میں پسا ہوا ملک اور کرپشن کی انتہا کو پہنچنے والی مملکت بار بار انتخابات کا بوجھ اٹھانے کی متحمل ہے بھی۔؟ اور ماضی کے تلخ تجربات کے حوالے سے انتخابات نے ہمیں کیا دیا۔اور پھر انتخابات کے نتیجے میں کونسی ایسی انقلابی اور صحیح اسلامی، مخلص اور نظریہء پاکستان کے ساتھ وفادار قیادت سامنے آئی ہے،جس نے ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا ہو۔اور ملک وملت کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیا ہو۔

قارئین کرام۔۔قیام پاکستان ۴۷ء سے لیکر ۹۷ء تک جتنے بھی "راہنمایان وطن" آئے۔تو وہ علی بابا اور چالیس چوروں کے کنبے سے تھے۔۔۔۔۔ان ہی بدباطن چوروں لٹیروں اور بدمعاشوں نے وطن کو بار بار لوٹا۔قومی خزانہ کو تباہ کیا ملک کو تقسیم کیا اور ہماری آزادی کو داؤ پر لگا دیا۔اور

اپنی عیاشیوں کے لئے بیرونی ملکوں سے اور آئی ایم ایف سے قرضے وصول کرتے رہے۔ جس کا بوجھ پوری قوم پر ٹیکسوں اور مہنگائی کی شکل میں ڈالا گیا۔ یہاں پر چونکہ سرمایہ دارانہ نظام ہے اس بناء پر یہی دو طبقے یعنی جاگیردار اور صنعت کار باری باری اس بدقسمت قوم کی قسمت سے کھیلتے چلے آرہے ہیں۔ اور اپنے آقائے ولی نعمت یعنی انگریز کے ساختہ و پرداختہ اور ان کے "خوان کریم" کے "زلہ ربا" جو کہ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ میں موجود ہیں اس ملک اور اس کے قیمتی ذخائر اور بینکوں پر "ٹڈی دل" کی طرح یلغار کرتے آرہے ہیں۔ اور ہمارا یہ پیارا وطن اب صرف ہڈیوں اور استخوان کا ایک ڈھانچہ رہ گیا ہے۔ اور ان "جونکوں" نے اس کی رگوں سے سارا خون چوس لیا ہے، اور اب وطن عزیز نزع کی حالت میں سے گزر رہا ہے۔ اور اقتصادی لحاظ سے دیوالیہ ہوچکا ہے۔ اب تو فوری ضرورت یہ تھی کہ اس جاں بلب مریض کی انتہائی نگہداشت اور دیکھ بھال کی جاتی۔ لیکن حکمران اس بدقسمت مریض کے سرہانے انتخابات کے ڈھول باجے اور نقارے بجا رہے ہیں۔

ع۔ اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا۔

ہم اس ملک کے ارباب علم و دانش اور خاوندان فکر و نظر اور اصحاب بصیرت کے سامنے یہ دردمندانہ گذارش کرتے ہیں۔ کہ کیا یہ موجودہ انتخابات ایسے حالات میں انتہائی ناگذیر ہیں۔؟ جبکہ یقیناً اس کے نتیجے میں وہی پرانے چہرے سامنے آئیں گے۔ کیونکہ ان کے کاغذات نامزدگی عدالتوں نے صحیح قرار دے دیئے ہیں۔ اور تین فروری کے بعد۔ پھر یہی لوگ ایک نئی آن بان اور کر و فر سے پارلیمنٹ ہاؤس، ایوان صدر، پرائم منسٹر ہاؤس، گورنر ہاؤس اور وزیر اعلیٰ ہاؤسز میں، فرعون بے ساماں کی طرح ملک وملت کو مزید تباہی کے بھنور میں پھنسانے کیلئے براجمان ہونگے۔ اور یہ پرانے نام اور معمولی قانونی رکاوٹیں جو کہ نگرانوں نے قوم کی "اشک شوئی" کیلئے ان کے سامنے کھڑی کی ہیں۔ انکو ان "خرانٹوں" نے ایک ہی جست میں پار کرکے قصہ تمام کر دیا۔ اور اب بڑے غرور اور تکبر سے یہ اعلان کر رہے ہیں کہ۔۔۔

ے ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

قارئین کرام۔۔ انتخابات کی صورت میں اس "قمار خانہ" سیاست میں وہی "پرانی بساط" ہوگی وہی "فرسودہ مہرے"، وہی شاطرانہ چالیں ہونگی اور وہی ہارس ٹریڈنگ کے مکروہ مظاہرے اور دھندے ہونگے اور وہی گنے چنے خاندان جو کہ نسلاً بعد نسل اس مظلوم اور بدقسمت ملک کے سیاہ وسفید کے مالک بنے ہوئے ہیں۔ کیا اب بھی ان لوگوں سے ملک وملت کی ترقی کی امید اور اسلامی انقلاب کی توقع رکھیں؟ اور کیا یہ لوگ اس ملک کو اقتصادی اور معاشی لحاظ سے مستحکم کر سکیں گے۔؟ کیا یہ لوگ اس ملک کی ڈوبتی کشتی کو "ساحل مراد" تک لے آئیں گے۔ اور کیا ان لوگوں سے ہم کرپشن کے خاتمے کی آس لگائیں؟ اور کیا یہ افراد اس ملک کے اس فرسودہ نظام کے اصلاح

کر سکیں گے ؟ کیا چوروں کے " شاہنشاہ " ڈاکوؤں کے " سردار " احتساب کر سکیں گے ۔ یہود و ہنود اور نصاریٰ کے " ایجنٹ " اور ان کے سرمایہ کے بل بوتے پر بلند بانگ دعوے کرنے والے اس ملک کو واقعی ایک اسلامی فلاحی مملکت بنا سکیں گے ؟ نہیں نہیں ہر گز نہیں ۔

بد قسمتی سے دینی جماعتیں بھی مغربی جمہوریت کے لعنتی نظام کی اسی " دلدل میں " پھنسی ہوئی ہیں اور وہ بھی گو مگو کی کیفیت میں مبتلا ہیں کہ نہ تو اس نظام سے ، جو کہ " آکاس بیل " کی طرح اس ملک کے شجر سے چمٹا ہوا ہے ۔ وہ لاتعلق رہ سکتے ہیں اور نہ ہی اس نظام میں یہ لوگ ٹ اور سیٹ ہو سکتے ہیں ۔ کیونکہ ان کے پاس وہ وسائل و ذرائع اور وہ بیرونی سرمایہ ہی نہیں جس کے بل بوتے پر لوگ الیکشن میں زیادہ سیٹیں لے کر ملک و ملت کیلئے کچھ بہتر قوانین فراہم سکیں ۔ یا کوئی انقلابی تبدیلی لاسکیں ۔ ان کے پاس دو ہی راستے ہیں رخصت اور عزیمت کا ۔ یا تو مکمل طور پر اس نظام کو اپنالیں اور کسی نہ کسی طریقہ سے پارلیمنٹ میں پہنچنے کی کوشش کریں اور یا پھر دوسرا راستہ جو کہ عزیمت کا پر خطر دشوار گزار اور صحرا نوردی کا راستہ ہے ۔ اور دار و رسن اور قتل گاہوں کا سامنا اس راہ کے مسافروں کے ابتدائی منازل ہوا کرتی ہیں یعنی " اسلامی انقلاب " کا راستہ ۔ ۔ اب فیصلہ ان دینی جماعتوں کے قائدین اور رہنمایان وطن کے ہاتھوں میں ہے کہ اس وقت قوم اور ملک کس چیز کا متقاضی ہے ۔ ہم دینی جماعتوں کے مختلف فیصلوں اور رویوں پر بھی سر پیٹتے ہیں کہ خدا را آپ لوگ کب سمجھیں گے اور حالات کا صحیح ادراک اور قوم کی " خاموش " آواز کو کب غور سے سنیں گے ۔ سرمایہ دارانہ نظام اور مغربی جمہوریت کے لعنتی اور ظالمانہ نظام کے شکنجہ سے ملک و ملت کو نجات دلانے کیلئے کب آپ اپنی " وزنی قباؤں " مرصع جباؤں اور اپنی " مخصوص حدود اربعہ " سے نکلیں گے ۔ ؟ اور اپنی مذعومہ مصلحت کیشی کو کب تک شعار بناتے پھرینگے ۔ اور " خمار دانائی " کے گراں بار احساس سے آپ کب نجات پائیں گے ۔ اور کب تک آپ اپنے فروعی و مسلکی اور دوسرے درجے کے اختلافات کے شکنجے میں یوں ہی جکڑے رہیں گے ۔ ؟ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کی تنہا " سولو فلائٹس " سے کتنا نقصان ہو رہا ہے ۔ خدارا اب تو سنبھل جائیے اور کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ لوگوں کے مخصوص " کردار " ، " کارناموں " اور دوسروں کیلئے قوت بازو بننے سے آپ کو کتنا " فائدہ " اور قوم کو کتنا نقصان ہوا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ برائے خدا عزلت نشینی چھوڑ دیئے ۔ یاس و قنوطیت اور جمود کے خول کو اتار پھینکئے ۔ چشم عبرت وا کیجئے حالات کی نزاکت کا احساس کیجئے اور نئی نسل پر رحم فرمائیے ۔ اور قوم کی دکھی اور زخمی دھڑکنوں کی آواز " گوش ہوش " سے سنئے ۔ میدان عمل " آپ کا منتظر ہے ۔ ایک قوت ایک آواز ایک قالب ایک تحریک ایک کاز ایک جسم اور ایک جان ہو جائیے یقیناً اگر آپ صدق دل لگن ، اخلاص اور توکلا علی اللہ کے ساتھ انقلاب کیلئے جدوجہد کرینگے تو آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کیسی نصرت فرماتے ہیں ۔ کیسی عزتیں اور عظمتیں آپ پر نچھاور کی جائیں گی اور لطف و کرم اور مہربانیوں کے خزانوں کے دروازے آپ

کیلئے وا ہو جائیں گے۔ ملک وملت کا بچہ بچہ آپ کیلئے دعاگو رہے گا۔ اور کل کا مورخ قلم و کاغذ ہاتھ میں لئے آپ کے استقبال کے لئے سینہ بدست کھڑا ہے۔ تاکہ آپ لوگوں کے عظیم کارنامے کو جلی حروف سے لکھکر تاابد محفوظ کر دے۔

بہر حال یہ انتخابات اور کچھ لوگوں کا "خاص مقاصد" کیلئے ان کا بائیکاٹ دونوں ہماری نظروں میں سعی لاحاصل ہیں اور سوائے ضیائے وقت اور سوائے ضیائے مال ملک وملت اور کچھ نہیں۔ اور (نتیجہ بھی ابھی سے صاف ظاہر ہے۔) تو کیوں نہ ایسے میں انقلاب کا یہ پر عزیمت راستہ اختیار کیا جائے۔ ولاتھنوا ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین

آخر میں اپنی اس ذوق خامہ فرسائی اور ان جملوں کے بے اختیار نوک قلم سے نکل جانے اور اس گستاخی پر قبل از گرفت معافی کا طلب گار ہوں۔ کیونکہ

؎ مپرس تاچہ نوشت ست کلک قاصر ما

خط غبار من است ایں غبار خاطر ما

مملکت اسلامی افغانستان کے سفار تکاروں کو خوش آمدید

الحمدللہ وہ مبارک ساعتیں بھی آپہنچیں۔ جن کا ہمیں شدت سے انتظار تھا۔ یعنی تحریک طالبان افغانستان کو اللہ تعالیٰ نے وہ کامرانیاں عطا فرمائیں، کہ اس تحریک کے بے سروسامان طالب علم آج سفارتکاروں کی حیثیت سے پاکستان تشریف لا رہے ہیں۔۔ اور یہ ان کی کامیابی و کامرانی کی واضح دلیل ہے۔۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء تو اس سلسلے میں اسلام آباد میں متعین افغانستان کے سفیر جناب مولانا مفتی محمد معصوم افغانی کو ایمبیسیڈر مقرر کیا گیا ہے۔ جناب معصوم افغانی صاحب تحریک طالبان کے سرگرم مجاہد اور روز اول ہی سے اس تحریک سے وابستہ چلے آرہے ہیں۔ اور ربانی حکمت یار حکومت کے جھوٹے پروپیگنڈے کے سامنے سینہ سپر رہے اور مغربی ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کو ایسے دندان شکن جوابات دیتے رہے کہ وہ لوگ انگشت بدنداں رہ جاتے۔ یہ تمام حضرت امیر المومنین مولانا محمد عمر صاحب دامت برکاتہم کے تدبر اور حسن قیادت کا ثمرہ ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو مزید استقامت عطا فرمائے۔

اسی طرح پشاور میں مولانا شہاب الدین حقانی صاحب فاضل دارالعلوم حقانیہ مقرر کیئے گئے ہیں۔ کوئٹہ اور کراچی میں بھی اسی طرح اپنے نمائندے مقرر کردیئے ہیں۔ یہ وہ عہدے تھے جن پر مغرب زدہ طبقہ براجمان چلا آرہا تھا۔ لیکن اب طالبان نے اپنی تحریک اور عمل سے ثابت کردیا ہے۔ کہ ان کے سامنے دنیا کے بڑے بڑے عہدے اور عظیم چیلنجز کوئی معنی نہیں رکھتے۔ انہوں نے اپنی عسکری، سیاسی، انتظامی، علمی اور عملی میدانوں میں اپنی قابلیت کا سکہ جمایا اور تمام مخالفین کے دجل وتلبیس اور مکر و فریب کے تاروپود بکھیر دیئے۔۔ ہم حیران ہیں کہ ابھی تک ان کی اکثریتی حکومت کو کیوں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اور حکومت پاکستان نے ابھی تک سرکاری طور پر ان کی جائز اور برحق اسلامی حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔ ہم تمام عالم اسلام اور

بالخصوص حکومت پاکستان کے کارپردازوں سے اپیل کرتے ہیں، کہ فی الفور اس حکومت کی حمایت کی جائے اور ان کے ساتھ مکمل تعاون کیا جائے۔ تاکہ یہ تمام عالم اسلام کیلئے بالعموم اور پاکستان کی دفاع کیلئے بالخصوص ایک مضبوط قلعہ ثابت ہوسکے۔ اگر اسلامی حکومتیں مغربی طاقتوں کے دباؤ کے باعث اس خدائی تحریک کی حمایت سے ہچکچا رہی ہیں تو عام مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس نوزائیدہ خدائی مملکت اور خلافت راشدہ کے احیاء کی اس عظیم تحریک کی مدد کیلئے آگے بڑھنا چاہیئے۔ یہ خالص اسلامی تحریک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو ایک سنہری موقع عطا فرمایا ہے۔ اس کو ضائع کردینا عالم اسلام کا سب سے بڑا نقصان اور ہماری سب سے بڑی بدقسمتی ہوگی۔ دارالعلوم حقانیہ تمام مسلمانوں سے پرزور اپیل کرتی ہے۔ کہ تحریک کے ساتھ ہر طرح کی نصرت اور تعاون کیا جائے۔

اقوام کی تاریخ نے وہ وقت بھی دیکھا ہے۔
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

راشد الحق سمیع حقانی
یکم رمضان ۱۴۱۷ھ

حکیم الاسلام قاری محمد طیب رح

دین کے اصول ثلاثہ

شریعت، طریقت اور سیاست

ارشاد ربانی ہے:

"وہ ذات جس نے بھیجا ان پڑھ لوگوں میں ایک رسول ان ہی میں سے، پڑھتا ہے ان پر اس کی آیات اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اگرچہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے"

اس آیت میں تلاوت آیات کا ذکر فرما کر اس کی معنویت کے تین مقام ذکر فرمائے گئے ہیں جس سے امت کی اصلاحی اسکیم کے تین بنیادی اصول پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ "مسئلہ تعلیم" جس کے معنی تمام احکام کو پیش کر دینے کے اور سکھا دینے کے ہیں کہ جس پر امت کے علم و فکر کی تکمیل اور ترقی موقوف ہے۔

۲۔ "مسئلہ تزکیہ یا تہذیب الاخلاق" جس کے معنی دلوں کی کلیں درست کر دینے کے ہیں کہ تمام باطنی کیفیات و مقامات کو سامنے لانا ہے، جس پر قلوب کی استقامت موقوف ہے۔

۳۔ "مسئلہ تلقین حکمت" جس کے معنی ایک تفسیر کے مطابق شارع علیہ الصلوۃ والسلام کی مجموعی زندگی "اسوہ حسنہ" امت کے سامنے لے آنے کے ہیں۔ جس کے مجموعے پر امت کی زندگی کی تنظیم موقوف ہے۔ پس قرآن کے اصلاحی پروگرام کے تین بنیادی اصول ہو گئے تعلیم احکام، تہذیب اخلاق، تنظیم اعمال۔

عرف عام میں پہلے اصول یعنی تعلیم کا لقب "شریعت" ہے۔ دوسرے اصول تہذیب اخلاق کا "طریقت" تیسرے اصول تنظیم اعمال کا نام "سیاست" ہے۔ یہ دین کے اصول ثلاثہ ہیں۔ جس سے دینی کائنات مرکب ہے۔ اسلام میں ان تینوں سے راہ معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہ راستہ ہی سامنے نہ ہو تو مسافت طے کرنا کیسے ممکن ہے؟ طریقت سے راہ پر چلنے کی اخلاقی قوت پیدا ہوتی ہے۔ اگر چلنے کی طاقت نہ ہو تو محض راہ کی استقامت سے کیا ہوتا ہے؟ اور سیاست سے راہ کے روڑے صاف ہوتے ہیں۔ اگر راستہ پرخار اور سنگ راہ سے لبریز ہو تو طاقت بھی کیا کام دے سکتی ہے؟ اگر پھر بھی کام لیا جائے تو ساری طاقت راستے پر ہی صرف ہو کر رہ جائے گی، منزل مقصود تک رسائی ہی مشکل ہو جائے گی۔

پس شریعت راہ ہے۔ "طریقت" "قوت رہروی" اور سیاست "تصفیہ راہ ہے"۔

قوت ہمیشہ مخفی چیز ہوتی ہے۔ راستہ ہمیشہ نمایاں ہوتا ہے۔ اور راستہ کی صفائی کا کام نمایاں ہی نہیں کافی شور و شغب بھی لئے ہوتا ہے۔ اس لئے قدرتی چیز ہے کہ طریقت تصوف کی بنیاد یکسوئی اور

انفرادیت پر ہو چنانچہ وہ اپنے انہی بنیاد اور اصول اور معانی وفروغ کے لحاظ سے انسان کو طبعاً تخلی وخلوت اور یکسوئی کی طرف کشاں کشاں لے آتی ہے۔ صوفی بحیثیت ایک صوفی کے ساری دنیا سے الگ تھلگ اور یکسو ہوجاتا ہے۔ اسے صرف اپنی ذات اور اصلاح و فلاح پیش نظر ہوتی ہے۔ وہ دوسروں سے ملتا بھی ہے تو انہیں بھی اپنا ہم مذاق بنا کر مخلوق سے منقطع کر دیتا ہے۔ بہر حال خلوت پسندی سے اسے کوئی طاقت نہیں ہٹا سکتی جب تک اس پر طریقت کا غلبہ ہو لیکن شریعت کی بنیاد تعلقات کی کثرت اور ادائے حقوق پر ہے ہدایت وارشاد کی خاطر مخلوق میں گھسنا ان کی اڑی کڑی جھیلنا اور لگی آگ میں سے جلتے ہوؤں کو نکالنا شریعت میں ضروری ہے۔ طریقت میں جس مخلوق سے کنارہ کشی کی جاتی ہے شریعت میں اسی مخلوق سے رابطہ جوڑا جاتا ہے وہاں لوگوں سے ٹوٹنا اور دور رہنا ہے۔ اور یہاں مخلوق میں گھل مل جانا ہے پس ایک حامل شرع جس پر تشریع کا غلبہ ہو بحیثیت ایک شرعی فرد کے سارے انسانوں کی طرف دوڑ کر ان کی اصلاح کی فکر میں رہے گا۔ اسے درد ہوگا، اپنے گھر کا، اپنے قبیلے کا، پھر شہر کا، عام برادری کا اور پھر ساری دنیا کے انسانوں کا پس اس جلوت پسندی سے اسے کوئی طاقت ہٹا نہیں سکتی جب تک اس پر شرعی رنگ کا غلبہ ہوگا۔

ادھر سیاست کے دائرے میں تعلقات کی نوعیت اور بھی زیادہ شدید ومدید ہمہ گیر ہوجاتی ہے۔ وہاں شریعت کی رو سے تو آدمی اپنے نفس سے نکل کر بندوں تک آیا تھا اور یہاں سیاست میں بندوں سے نکل کر شہروں تک اور شہر ہی نہیں صحرا پہاڑوں، زمینوں اور ان کی پیداوار دریاؤں اور ان کے بہاؤ، حیوانات اور ان کے منافع غرض کہ ساری کائنات کے اجزاء اور ان کی تنظیم تک ایک سیاسی فرد کو بڑھنا پڑتا ہے۔ وہاں حقوق کا پہچانا الگ ہیں اور دفاع مظالم الگ، حدود و تعزیرات الگ ہیں اور جہاد وجانبازی الگ۔ بیت المال کی حفاظت الگ ہے اور دشمنوں کی گرفتاریاں الگ غرض کہ ایک شوکت توڑنا اور ایک جھنڈا بلند کرنا مفسدوں کو دبانا اور مصلحتوں کو سربلند کرنا، رشتوں کا زور توڑنا اور حق والوں کو مدد دینا۔ خلاصہ یہ کہ مادی اور روحانی قوتوں سے طرح طرح کے انقلابات کرکے سلطنتوں کو الٹ پلٹ کرنا اور نئے نئے نظاموں کی بنیادیں ڈال کر سارے عالم پر ایک شوکت قائم کرنا ایک سیاسی فرد کا کام ہے، ظاہر ہے اس میں یکسوئی اور خلوت کہاں۔ یہاں تو بندوں سے گذر کر شہروں، انسانوں سے گذر کر حیوانات، حیوانات سے گذر کر نباتات اور سب سے گذر کر ایک ایک چپہ زمین کے لیے اسی انسان کے اوقات صرف کئے جاتے ہیں جس کی ایک ایک چیز طریقت میں محض یکسوئی اور شریعت میں ایک خاص دائرہ تعلقات میں محدود تھی۔ اس لئے طریقت یکسوئی اور کنارہ کشی اور سیاست اختلاط ہی اختلاط اور شریعت دونوں کے درمیان ایک برزخ ہے جو ان دونوں کو ملا کر "خلوت در انجمن" پیدا کر دیتی ہے۔ اس سے خود واضح ہوتا ہے، کہ شریعت کا خلوت در انجمن میں آنا جب ہی ممکن ہے کہ اس کے دائیں بازو پر یکسوئی کا خزانہ "طریقت" ہو اور بائیں بازو پر انجمن کا منبع "سیاست" ورنہ خلوت در انجمن اور "دل بیار دست بکارے" کا وجود ہی نہیں ہوسکتا۔ ظاہر ہے کہ اس حالت میں ان تین عنصروں کو ایک دوسرے سے جدا

کر دیا جائے تو ان کے باہمی امتزاج کے مخلوط منافع منقطع ہو کر ایک مخصوص نقصان میں پڑ جائے گی۔ اگر صرف طریقت رہ جائے جس میں شریعت اور سیاست نہ ہو تو وہ صرف وحشت اور شرمندگی ہے اور اگر صرف شریعت ہو جس کے ساتھ طریقت اور سیاست نہ ہو تو وہ شدت اور صرف جمود ہے۔ اگر سیاست کے ساتھ طریقت و شریعت نہ ہو تو وہ نخوت اور صرف تکبر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تینوں صفات تنہا کمال نہیں ہیں اس لیے ان میں سے ہر ایک دوسرے کا سہارا اور مصلح ہے اور اس لیے "دین" نے ان سب کو کر کے اپنا نام "دین" رکھا جیسا کہ حدیث جبریل سے واضح ہے۔ پس طریقت کا وحشت کا مصلحِ شریعت اور سیاست ہے جن کی بنیاد تعلقات کی کثرت اور اجتماعیت پر ہے شریعت کے جمود کا مصلح طریقت ہے جس سے قلب میں شفقت و محبت پیدا ہو کر جمود و تشدد زائل ہوتا ہے۔ سیاست کی نخوت و تحکم کا مصلح شریعت و طریقت ہے جن کی آمیزش سے مخلوق پر رحم اور تربیت عالم کا ظہور ہوتا ہے اور خلافت الٰہی نمایاں ہو کر نفسانی ظلم و جبر ہو جاتا ہے۔ پھر شریعت و طریقت کی کس مپرسی و بے بسی کا مصلح سیاست ہے جس کی مادی شوکت ان دونوں کے لیے سرمایہ عظمت و حفاظت بنتی ہے پس جب جب ایک طرف طریقت اور تہذیب الاخلاق کے ذریعے نفس میں انصاف پیدا ہو گیا اور شریعت کے ذریعے علم احکام اور تعلیم خیر کا جذبہ شفقت قائم ہو گیا اور ریاست و قوت کے ذریعے اس علم الاخلاق اور حسن اخلاق کے نفاذ کی قدرت پیدا ہو گئی تو اب سیاست میں سے نخوت و کبر نکل کر وقار و خودداری اور شہامت و بہادری آجائے گی۔ طریقت میں سے رسم خلوت نکل کر حقیقت خلوت لئے تعلق مع اللہ اور انقیاد احکام کا ملکہ پیدا ہو جائے گا اور ادھر اتباع شریعت میں سے خشکی، جمود و تنگ نظری نکل کر وسعت نظر، جامعیت، ہمہ گیری، تعاون اور آپس میں اتحاد کے جذبات ابھر آئیں گے جس سے قوم کے مادی و روحانی عروج کا نقشہ خود بخود قائم ہو جائے گا۔ جس کے مجموعہ کو دین کہتے ہیں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دین بغیر ان تینوں عنصروں کے جمع کئے ہوئے مکمل نہیں ہوتا اور خدام دین اس وقت تک صحیح معنی میں خدمت دین نہیں کر سکتے جب تک وہ بیک وقت حامل شریعت صوفی اور سیاسی نہ ہوں۔ افسوس ہے کہ آج یہ تینوں چیزیں الگ الگ مستقل شمار کی جا رہی ہیں اور ان کے حامل الگ الگ مستقل طبقات شمار کئے جا رہے ہیں۔ اور اسی طرح شریعت اور سیاست کو الگ الگ مستقل منہاج سمجھ لیا گیا ہے۔ اور نہ صرف اسی پر اکتفا کیا گیا ہے بلکہ صوفیاء اپنے تصوف کی تکمیل اس میں سمجھتے ہیں کہ وہ علماء کے مدمقابل آئیں۔ علماء صوفیوں کے مقابلہ پر ہوں اور سیاسی ان دونوں طبقوں کے مقابل کھڑے ہوئے ہوں۔ اور یہ دونوں طبقے سیاسیوں کے مقابلے میں اس لئے قوم میں مستقل تین طبقے قائم ہیں اور وہ بجائے اس کے کہ مل کر کسی ایسی طاقت کے بالمقابل آئیں جس نے ان کا علم بھی غلط کر رکھا ہے اور عمل کا راستہ بھی غلط ڈال دیا ہے۔ اپنی اپنی طاقتیں اپنی ہی لڑائیوں میں ختم کر دیتے ہیں، جس سے تفرقہ انداز طاقت زیادہ قوی اور دلیر ہوتی جاتی ہے۔

میرے خیال میں جب تک یہ تینوں طبقے مل نہ جائیں اور نہ صرف افراد ہی مل جائیں بلکہ ان کے

یہ تینوں فنون اس طرح باہم آمیختہ نہ ہوجائیں کہ قوم کا ہر فرد حامل شریعت ،صوفی صافی اور سیاسی مخلص ہوجائے۔ اس وقت تک قوم بحیثیت مجموعی مکمل قوم ہی نہیں کہلاسکتی اور اسلامی نقطہ نظر سے کامیابی کامیابی کا منہ بھی نہیں دیکھ سکتی۔

اسلام میں دین سیاست سے الگ نہیں وجہ یہ ہے کہ ان میں سے دو جز علم احکام اور حسن اخلاق ،دیانت کے اساسی شعبے ہیں اور ایک جزو کمال نظم واجتماعیت سیاست کا شعبہ ہے اور سیاست کو دیانت سے جب بھی علیحدہ کیا جائے گاتب نہ حقیقی سیاست قائم رہیگی نہ حقیقی دیانت۔ اگر دیانت نہ رہے تو سیاست دال کٹ کھنا اور جور واستبداد کا مالک ہوگا اور اگر سیاست نہ رہے تو دیانت نہ رہے، تو دیانت بے کس و بے بس اور زوال کی حامل ہوجائے گی قانون محض اور کوری سیاست سے دنیا کبھی امن وچین کا منہ نہیں دیکھ سکتی، اور نہ ہی عالم بشریت کی اصلاح تنظیم ہوسکتی ہے۔

اگر ایسا ہوسکتا تو آج یورپ سب سے زیادہ صالح، سب سے زیادہ باہم مربوط اور ساری دنیا سے زیادہ پر امن ہوتا کیونکہ وہاں قوانین سیاست کی دفعات برساتی کیڑوں کی طرح ہیں کتنی ہی قانون ساز جماعتیں بارہ مہینے وضع قانون میں مصروف رہتی ہیں، نئی نئی ضروریات پر روزانہ قانون بنتے ہیں اور بگڑتے ہیں لیکن جس حد تک سیاسی ضوابط بڑھتے جاتے ہیں، اسی درجے باہمی روابط گھٹتے جاتے ہیں۔ رقابتوں اور عداوتوں میں روزافزوں اضافہ ہورہا ہے۔ انسانوں کی درندگی اور ہوسناکی قانون کے دائرے میں رہ کر قانونی غارت گریاں اور آئینی ظلم وستم کو خوب سیکھتے جارہے ہیں، اور یورپ کی ساری دنیا قتل غارت گری اور ہواوہوس کا ایک جہنم زار بنی ہوئی ہے۔

پس اگر محض سیاست اور روکھے قانون سے بشریت کی اصلاح و تنظیم ممکن ہوسکتی تو یورپ کو یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا اسلئے کہ وہاں نہ سیاست کی کمی ہے نہ قوانین کی، ہاں اگر کمی ہے تو دیانت کی ہے یعنی وہاں سیاست کے پیچھے نہ اخلاق ربانی ہیں نہ مقصد الہیہ کا علم ہے اور نہ ان کا نمونہ عمل۔ اور جب سیاست کا محور ہی صحیح نہ ہو تو کوری سیاست اور خالی قانونی اتار چڑھاؤ سے امن نفوس اور سکون عالم کیسے نصیب ہوسکتا ہے۔

بس آج کی یورپین تباہ کاریاں عالم گیر سر پھٹول اور انسانیت کی یہ تباہی اور خواری فقدان سیاست سے نہیں بلکہ فقدان دیانت کے سبب ہے۔ جب آدمی ایک بے شعور درندہ بن جائے تو محض سیاست اس کے دل ودماغ کو تبدیل نہیں کرسکتی۔ یہ انقلاب ذہنیت صرف تہذیب اخلاق اور تعلیم کتاب اللہ سے ممکن ہے جو مجموعہ دیانت ہے۔ دیانت بلاسیاست اور علم واخلاص بلاشوکت بے بس، بے کس اور عام نگاہوں میں بے وقعت ہوجانے کے سبب قبول عام اختیار نہیں کرسکتے اور نہ صرف یہی بلکہ اس کمزورترین صورت حال کے بڑھ جانے سے ان کی تحقیر واستہزاء اور تمسخر کی داغ بیل پڑتی ہے جس سے شوکت پرست طبقے میں ان کی حقارت ایک مشن اور مقصد کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے ظالم و گناہ گار کی طبیعتیں جو شوکت دین سے دبی ہوتی ہیں اس حالت میں کھل کھیلتی ہیں اور اس

بقیہ صـ۲۸

روزہ فرض

میرا ذاتی تجربہ: لائق غور و فکر

جناب حکیم محمد سعید صاحب

سال گزشتہ ماہ رمضان المبارک ہمیشہ کی طرح بہ ہر اعتبار باعث رحمت و برکت تھا۔ نزول و تکمیل قرآن حکیم کا یہ ماہ مبارک عالم اسلام کے لیے من حیث المجموع برکات کا پیغام لاتا ہے اور رحمتوں کی فراوانیاں اس کی خصوصیت ہے۔ فطرت انسانی کے سارے جوہر بیدار ہوجاتے ہیں۔ اور ہر انسان کہ جو عبادت روزہ سے سرشار ہوتا ہے طمانیت درجہ قلب سے سرفراز ہوتا ہے۔

ایک نہایت دلچسپ، نہایت درجہ قابل غور یہ حقیقت ہے۔ کہ خوش خوراک اور پرخور انسان اپنی ذہنی توانائیوں سے محروم ہوجاتا ہے۔ بلکہ کند ذہن ہوجاتا ہے۔ میرا انداز فکر یہ ہے، کہ پرخور انسان وہی ہوتا ہے کہ جس کا حافظہ کمزور ہوتا ہے۔ اور ذہن جس کا ماؤف ہوتا ہے۔ ذرا اس حقیقت پر اس طرح غور کرنا چاہیے۔ کہ مثلاً آپ نے ایک لقمہ شیریں نوش جان فرمایا یا آپ نے لذیذ تافتان کے ساتھ لذیذ قورمہ تناول فرمایا۔ تو کیا یہ ایک لقمہ کافی نہیں ہے؟ اگر آپ اس کا ذائقہ یاد رکھیں تو دوسرا لقمہ یا متعدد لقمے کھانے کی ضرورت کیا ہے ہر بار ذائقہ تو وہی رہیگا۔ ذائقہ اور لذت وہی رہتی ہے مگر آپ کھا کر ہر بار بھول جاتے ہیں۔

زندگی کے شب و روز موجب درس ہیں اور حیات مستعار کے لیل و نہار اس حقیقت کی طرف آپ کو متوجہ کرتے ہیں کہ اس عالم فانی میں انسان کو زندہ رہنے کے لیے غذا نوش جان کرنی چاہیے۔ کھانے اور کھائے جانے کے لیے زندہ رہنے کا انداز فکر یقیناً روح پرور نہیں ہوسکتا۔ زندہ رہنے کیلیے تناول اشیائے غذائی عین ثواب ہے، اعتراف سائنس ہے، عین اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔

اب میں اپنا ذاتی تجربہ بتاتا ہوں۔ سال گزشتہ پورے ماہ رمضان المبارک میں بجز ایک یوم میں نے پورے مہینے ترک غذائے متنوع کیا۔ پورے مہینے میں نے نہ گوشت کھایا، نہ چاول کھائے اور نہ گیہوں کھایا۔ کوئی سبزی ترکاری نہیں کھائی۔ کوئی دہی بڑا پکوڑا نہیں کھایا۔ ایک دن بھی میں نے قورمہ نوش جاں کیا نہ تافتان، اور نہ شیرمال اور نہ روٹی، نہ پلاؤ اور نہ بریانی، نہ چٹنی نہ اچار۔ پھر کیا کھایا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ میں نے پورے ماہ رمضان المبارک میں ابلی ہوئی نمکین چنے کی دال، کھجوریں اور بہ قدر ضرورت دودھ استعمال کیا۔ ابلی ہوئی چنے کی دال میں چند کھجوریں توڑ کر ڈالیں اوپر سے دودھ ڈالا، افطار و سحر یہ میری من بھاتی غذا تھی۔ پورے مہینے، چنے کی دال پاکستان کے دوست کاشت کار نے پیدا کی۔ کھجوریں اندرون سندھ کی نہایت اچھی پیداوار ہے۔ دودھ درآمد کردہ نہ تھا۔ اس لیے کہ اس کے دودھ ہونے میں اور حلال ہونے میں شبہ ہے۔ دودھ پاکستان کی خوبصورت گائے نے دیا تھا۔ وہ گائے

جیسے ہم روزانہ ذبح کر کے کھاجاتے ہیں اور دودھ باہر سے منگواتے ہیں!

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پورا رمضان المبارک بہ عافیت تامہ گزرا۔ ایک دن تہجد ہاتھ سے نہ گئی۔ کوئی ایک نماز قضانہ ہوئی۔ کوئی ایک تراویح ادا ہونے سے نہ رہی۔ پورے مہینے کی شام ورزش کے لیے ٹینس جاری رہی۔ کسی ایک دن ہاضمہ خراب نہ ہوا۔ پورا مہینہ چاق وچوبند رہا۔ کاہلی اور سستی قریب نہ آئی۔

عید کی صبح آئی۔ میں نے اپنی نواسی ماہم (ماہ نیم ماہ) سے کہا: ماہم ذرا وزن کرنے کی مشین لاؤ۔ دیکھتا ہوں کہ وزن دس پاؤنڈ کم ہوا یا بارہ۔ مشین پہ کھڑا ہوا۔ حیرت انگیز طور پہ معلوم ہوا کہ ساڑھے چھ پاؤنڈ وزن بڑھ گیا ہے۔

میرے ہم وطنو! اب آپ غور فرمائیے کہ آپ کو کیا کرنا چاہیے، میں آپ سے تجربہ دہرانے کے لیے نہیں کہتا۔ مگر صرف اس قدر کہتا ہوں کہ روح روزہ ورمضان یہ ہے کہ انسان تقلیل غذا کرے۔ اپنے اندرون کو خالی رکھے تاکہ نور معرفت نظر آئے۔ لقمہ حلال کے وقت یہ خیال ذہن سے ماورانہ ہو کہ پاکستان میں لاکھوں غریب فاقے کرتے ہیں۔ کھاتے وقت یہ بات ذہن میں موجود ہو کہ ہم مقروض ہیں اور ہماری غذائی اشیاء مثلاً چائے، دودھ، گیہوں، گوشت، آلو پیاز، ٹماٹر، دالیں درآمد کرنے پہ اربہا روپیہ خرچ ہورہا ہے۔ ہمیں قرض دیکر اقوام غیر، طاغوتی طاقتیں، یہود ونصاریٰ ہماری گردنوں میں غلامیوں کے طوق لٹکا رہے ہیں۔ ہماری خودی اور خود داریاں چھین رہے ہیں۔ ہماری عزت وناموس کو تباہ کر رہے ہیں۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ اس ماہ رمضان المبارک کو پاکستان کے لیے مبارک فرمائیں اور آپ کے لیے اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکات نازل ہوں۔ میرے عظیم نونہالوں اور نوجوانوں پہ رحمتوں کی بارشیں ہوں۔ ہم ایثار کر کے قرضوں سے نجات حاصل کریں۔ ہم غلامیوں کے طوق اتار کر پھینک دیں۔ آزادی کی روح پرور فضاؤں میں سانس لیں۔

بقیہ صـ۷

ان یکتب الی العمال فاخذبه ابو بکر و امضاه بعده علی ما کتب

(مصنف ج ۴ ص ۲۵)

حضور علیہ السلام نے ایک کتاب تحریر کرائی جسمیں فرائض سے متعلق ارشادات تھے۔ آپ یہ کتاب اپنے عمال کے پاس بھیجنا چاہتے تھے لیکن بھیجنے سے پہلے آپ کی وفات ہو گئی۔ حضرت ابو بکر صدیق نے یہ کتاب لی اور اسے پوری طرح نافذ کر دیا"۔ سنن ابو داؤد میں بھی انہی الفاظ کے ساتھ اس مجموعہ کا تذکرہ ملتا ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۱۹)

(جاری ہے)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور بیورو کریسی

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی ایم - اے - ایل - ایل - بی - پی - ایچ - ڈی

بیورو کریسی کیا ہے؟

انسائیکلوپیڈیا امریکانا کے مطابق بیوروکریسی سے مراد افسر شاہی یا نوکر شاہی ہے۔ یہ اصطلاح موجودہ دور کی ہے۔ دراصل یہ لفظ تنقید کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ مشہور جرمن میکس ویبر Max'Weber نے بیورو کریسی کا تصور پیش کیا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق سرکاری ملازمین یا افسران کی جماعت ایک مشین کی مانند ہونی چاہیے جس کے احساسات نہ ہوں بلکہ وہ گورنمنٹ کے احکامات کی تکمیل اسی انداز سے کرے۔ آج کل کوئی حکومت بھی بیورو کریسی کے بغیر نہیں چل سکتی۔

گو کارل مارکس نے بیوروکریسی پر تنقید کی ہے تاہم روس میں صنعتیں قومیائی گئیں جس سے افسر شاہی کے نظام کو اور زیادہ طاقت ملی۔ یہ ادارہ ان اقدام کی وجہ سے مضبوط تر ہو گیا۔

ایک جدید نظام میں بیورو کریسی کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہونی چاہئیں:۔

(۱) اس میں متنوع اقسام کے کام سرانجام دیے جائیں۔
(۲) کنٹرول اور کڑی نگرانی اعلیٰ افسران کے پاس ہو۔
(۳) جس دفتر میں کام سرانجام دینا ہو اس کے لیے اہلیت مقرر کر دی جائے۔
(۴) مقصدیت ہو۔
(۵) لگاتار کام کا تعین ہو۔
(۶) اختیارات میں لچک ہو۔

اور علاوہ ازیں نوکر شاہی کا احتساب بھی ہو۔ یہ اس وقت ممکن ہے جب آئین کے تحت جمہوری حکومتیں قائم ہوں۔ یہ ہے مغربی ممالک میں افسر شاہی کا تصور۔

اولوالامر کون ہیں۔

بیورو کریسی یا نوکر شاہی یا افسر شاہی کے لیے قرآن حکیم نے "اولوالامر" کی اصطلاح بیان فرمائی ہے۔ سورۃ النساء کی آیت ۵۹ میں ارشاد ربانی ہے:

یآیہاالذین آمنو اطیعواللہ واطیعواالرسول واولی الامرمنکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر ذلک خیر واحسن تاویلا۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو

تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہوجائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو۔ اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریقہ کار ہے۔ اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔"

اولو الامر لغت میں ان لوگوں کو کہا جاتا ہے، جن کے ہاتھ میں کسی چیز کا نظام وانتظام ہو، اسی لیے حضرت ابن عباس، مجاہد اور حسن بصری وغیرہ رضی اللہ عنہم مفسرین قرآن نے اولی الامر کے مصداق علماء فقہا کو قرار دیا ہے۔ کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں اور نظام دین ان کے ہاتھ میں ہے۔

اور ایک جماعت مفسرین نے جن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں فرمایا کہ اولی الامر سے مراد حکام اور امراء ہیں جن کے ہاتھ میں نظام حکومت ہے۔ اور تفسیر ابن کثیر اور تفسیر مظہری میں ہے کہ یہ لفظ دونوں طبقوں کو شامل ہے، یعنی علماء کو بھی اور حکام وامراء کو بھی، کیونکہ امر ونہی دونوں کے ساتھ وابستہ ہے۔

سورۃ النساء کی آیت مبارکہ (۵۸) میں ارشاد ربانی ہے۔

ان الله یامر کم ان تودوا الامنت الی اهلها واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان الله نعما یعظکم به ان الله کان سمیعاً بصیرا

"مسلمانو! اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو، اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے"۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:۔

هذه الاية من امهات الاحکام تضمنت جمیع الدین والشرع

یعنی یہ آیت قرآن کریم کے اہم ترین احکام سے ہے اس کے ضمن میں دین اور شریعت کی تمام تفصیلات سمیٹ کر رکھ دی گئی ہیں اور قرطبی کا یہ کہنا بالکل بجا ہے۔

اگر آپ کو اقتدار حکومت حاصل ہے تو غریب وامیر، قوی وضعیف میں مساوات قائم کرنا، عدل کے ترازو کو تمام مخالف رجحانات کے باوجود برابر رکھنا، حکومت کے عہدوں پر تقرر کے لیے کنبہ پروری اور دست نوازی کی بجائے صرف اہلیت و قابلیت کو معیار قرار دینا بھی اس حکم کی تعمیل میں داخل ہے۔

عام لوگوں کے علاوہ اس حکم کے خصوصی مخاطب امراء اور حکام ہیں اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد پیش نظر ہو تو پھر ہر شخص اس آیت کا خصوصی مخاطب ہے ارشاد ہے۔

کلکم راع وهو مسئول عن	تم میں سے ہر شخص اپنے مرتبہ کے
رعیته فالامام راع وهو	لحاظ سے پاسبان ہے اور جوابدہ

مسئول عن رعیتہ مسئول راع علیٰ اھلہ وھو مسئول عنھم والمراۃ راعیۃ علی بیت زوجھا وھی مسئولۃ عنھا۔	ہے امام اور خلیفہ بھی راعی ہے اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ خاوند اپنے گھر والوں کا رئیس ہے اور بیوی اپنے خاوند کے گھر کی نگراں ہے۔ ہر ایک سے اس کی حیثیت کے مطابق سوال کیا جائے گا۔

اس کے ساتھ قرآن حکیم کے اس جملہ نے اس عام غلطی کو بھی دور کر دیا، جو اکثر ممالک کے دستوروں میں چل رہی ہے کہ حکومت کے عہدوں کو باشندگان ملک کے حقوق قرار دے دیا ہے،

اور اس اصولی غلطی کی بنا پر یہ قانون بنانا پڑا کہ حکومت کے عہدے تناسب آبادی کے اصول پر تقسیم کیے جائیں، ہر صوبہ ملک کیلئے کوٹے مقرر ہیں، ایک صوبہ کے کوٹہ میں دوسرے صوبہ کا آدمی نہیں رکھا جاسکتا۔ خواہ وہ کتنا ہی قابل اور امین کیوں نہ ہو، اور اس صوبہ کا آدمی کتنا ہی غلط کار نااہل ہو۔ قرآن حکیم نے صاف اعلان فرمادیا کہ یہ عہدے کسی کا حق نہیں بلکہ امانتیں ہیں جو صرف اہل امانت ہی کو دی جاسکتی ہیں۔ خواہ وہ کسی صوبے یا کسی خطہ کے رہنے والے ہوں۔

البتہ کسی خاص علاقہ اور صوبہ پر حکومت کے لیے اسی علاقہ کے آدمی کو ترجیح دی جاسکتی ہے کہ اس میں بہت سی مصالح ہیں۔

مگر شرط یہ ہے کہ کام کی صلاحیت اور امانت میں اس پر پورا اطمینان ہو۔

ارشاد ہے:

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامنت الی اھلھا

"یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مستحقین کو پہنچادیا کرو"۔

اس حکم کا مخاطب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عام مسلمان ہوں اور یہ بھی احتمال ہے۔ کہ خاص امراء مخاطب ہوں اور زیادہ ظاہر یہ ہے۔ کہ ہر وہ شخص مخاطب ہے جو کسی امانت کا امین ہے۔ اس میں عوام بھی داخل ہیں اور حکام بھی۔

حاصل اس ارشاد کا یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں کوئی امانت ہے اس پر لازم ہے کہ یہ امانت اس کے اہل و مستحق کو پہنچادے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا۔ امانت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ بہت کم ایسا ہوگا۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خطبہ دیا ہو اور اس میں یہ ارشاد نہ فرمایا ہو۔

لاایمان لمن لاامانۃ لہ ولادین لمن لاعھدلہ	یعنی جس میں امانت داری نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس شخص میں

معاہدہ کی پابندی نہیں اس میں
دین نہیں۔
"یہ روایت بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں عزل و نصب کے اختیارات ہیں۔ ان کے لیے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیں جو عملی اور علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کے کا اہل نہیں ہے۔ بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور ہر عہدہ کے لیے اپنے دائرہ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔

پوری اہلیت والا سب شرائط کا جامع کوئی نہ ملے تو موجودہ لوگوں میں قابلیت اور امانت داری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اس کو ترجیح دی جائے۔

ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو، پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی مد میں بغیر اہلیت معلوم کیے ہوئے دے دیا اس پر اللہ کی لعنت ہے نہ اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل۔ یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے۔

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالانکہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لیے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول کی اور سب مسلمانوں کی، آج جہاں نظام حکومت کی ابتری نظر آتی ہے۔ وہ سب اس قرآنی تعلیم کو نظر انداز کر دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ تعلقات اور سفارشوں اور رشوتوں سے عہدے تقسیم کیے جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نااہل اور ناقابل لوگ عہدوں پر قابض ہو کر خلق خدا کو پریشان کرتے ہیں اور سارا نظام حکومت برباد ہو جاتا ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا۔

یعنی جب دیکھو کہ کاموں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کر دی گئی جو اس کام کے اہل اور قابل نہیں تو "اب اس فساد کا کوئی علاج نہیں" قیامت کا انتظار کرو۔	اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة

یہ ہدایت صحیح بخاری کتاب العلم میں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے لفظ آمنت بصیغہ جمع لا کر اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ امانت صرف اسی کا نام نہیں کہ ایک شخص کا مال کسی دوسرے شخص کے پاس بطور امانت رکھا ہو۔
بلکہ امانت کی بہت سی قسمیں ہیں۔ جن میں حکومت کے عہدے بھی داخل ہیں۔

سورۃ النساء کی آیت ۸۳ میں بھی "اولی الامر" کا لفظ استعمال ہوا ہے:

وانا جآء ھم امر من الامن او الخوف اذا عو ابہ ولو ردوہ الی الرسول والیٰ اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم ولو لا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطن الا قلیلا

"یہ لوگ جہاں کوئی اطمینان بخش یا خوفناک خبر سن پاتے ہیں اسے لے کر پھیلا دیتے ہیں حالانکہ اگر یہ اسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجائے جو ان کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں تو اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں۔ تم لوگوں پر اللہ کی مہربانی اور رحمت نہ ہوتی تو (تمھاری کمزوریاں) ایسی تھیں کہ معدودے چند کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے لگ گئے ہوتے"

سرکاری ملازمین کے لیے نبی اکرم کے فرامین کا مجموعہ: کتاب الصدقہ

یہ ان احکامات و روایات کا مجموعہ ہے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو املا کرائے تھے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں وہ احکام تھے جو صوبائی سطح پر ذمہ دار افراد کے لیے لکھوائے گئے تھے اور حضور نے یہ کتاب خود تحریر کرائی تھی۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ والیان ریاست اس کتاب کو مد نظر رکھ کر کام کریں لیکن ان حضرات کو بھیجنے سے پہلے آپ کی رحلت ہو گئی۔ احادیث کی کتب میں اس کتاب کا تذکرہ ملتا ہے۔ جامع ترمذی میں ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک
وسلم کتب کتاب الصدقۃ	کتاب لکھوائی جس میں صدقہ سے
فلم یخرجہ الی عمالہ متی	متعلق احکام تھے ابھی آپ نے یہ
قبض نقرنہ بسلیفہ فلما	کتاب اپنے عمال (والیان ریاست)
قبض عمل بہ ابو بکر حتیٰ	کے پاس بھجوائی نہیں تھی کہ دنیا سے
قبض وعمر حتیٰ قبض	تشریف لے گئے یہ کتاب آپ کی
(جامع ترمذی ج ۱۔ ص ۱۰۷)	تلوار کے ساتھ رہی۔ بعد میں حضرت
	ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق
	رضی اللہ عنہما نے پوری زندگی اسی
	کتاب پر عمل کیا۔

مصنف عبد الرزاق میں لکھتے ہیں کہ:

ان النبی کتب کتابا فبہ ھذا الفرائض ققبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل

باقی صـ ۱۲

محمد یونس میؤ لیکچرار اسلامیات

"قرآن کا فلسفۂ عشق و محبت اور ہم"

عشق اگرچہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ لیکن یہ لفظ قرآن میں نہیں آیا۔ نہ احادیث میں اسکا سراغ ملتا ہے۔ حتیٰ کہ شعراء جاہلیت نے بھی اس لفظ کو درخوراعتنا نہیں سمجھا۔ متاخرین نے گاہے گاہے اس کو منہ لگایا ہے لیکن مجموعی طور پر عربی شاعری نے اسے قبول نہیں کیا۔ یہ فارسی شعراء کا احسان مند ہے یہیں سے یہ لفظ اردو زبان و ادب میں دخیل ہوا۔ مولانا جلال الدین رومی اور علامہ اقبال نے اس لفظ کو چار چاند لگائے۔ قرآن مجید میں عشق کا مترادف یا متبادل لفظ "حب" نازل ہوا ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

قدیم و جدید مفسرین حضرات نے اس لفظ کا ترجمہ "محبت" کیا ہے۔ بعض مقامات پر قرآن نے ایمان والوں کی اللہ سے محبت کیلئے اشد حب للہ کے الفاظ تو استعمال کیے ہیں لیکن عشق کی اصطلاح سے گریز کیا ہے۔ اسی طرح ہمارے مفسرین نے اشد حباً کا ترجمہ عشق کی بجائے" سخت محبت" اور "زیادہ محبت" کے الفاظ سے کیا ہے۔ حالانکہ بعض بزرگوں نے محبت کے چھ درجات بیان کیے ہیں۔ مثلاً رحجان، میلان، دلچسپی، محبت، عشق اور جنون۔ اس ترتیب میں محبت سے اگلا قدم سخت محبت یعنی عشق ہی ہے اس کے بعد تو صرف جنون کا عہدہ ہی ہے جو میاں "مجنوں" کیلئے مخصوص ہے۔ ےایک دوسری آیت میں۔۔(ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطہرین) میں ان حضرات نے یحب کا معانی پسند کرنا اور دوست رکھنا بھی کیا ہے۔ بہر حال محبت کرنا، پسند کرنا اور دوست رکھنا کوئی معنوی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ معنوں کی یہی ترتیب احادیث میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

لایومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ (۶)

لایومن احدکم حتیٰ یحب لاخیہ مایحب لنفسہ (۷)

اول الذکر روایت میں علامہ عثمانی نے حب کا معنی محبت اور موخرالذکر میں اس لفظ کا ترجمہ چاہنا اور پسند کرنا لکھا ہے۔(۸) امراؤالقیس(۹) جو سبع معلقات (۱۰) کا پہلا شاعر ہے اپنے معروف قصیدہ (معلقہ) میں اپنی محبت اور محبوب کیلئے "حب" اور "حبیب" کے الفاظ لاتا ہے۔

اغرک منی ان حبک قاتلی — وانک مہما تامری القلب یفعل (۱۱)

قفانبک من ذکریٰ حبیب و منزل — بسقط اللویٰ بین الدخول فحومل (۱۲)

"یقیناً تو اس بات پر مغرور ہے کہ تیری محبت مجھے قتل کر دے گی۔ اور میرے دل کو جو تو حکم دیگی اسے کرتے ہی بنے گی"۔ "ٹھہرو محبوب اور اس کے گھر کی یاد میں تھوڑا سا رولیں، اس کا مکان سقط اللوی میں ہے۔ جو دخول، حومل، توضح اور مقراط مقامات کے درمیان واقع ہے"۔

ایک اور شعر میں شاعر نے اپنی نفسانی خواہشات اور حیوانی جذبات کی ترجمانی کے لیے "ہوا" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

تسلت عمایات الرجال عن الصبا   ولیس فوادی عن هواک بمنسل (۱۳)

یہ لفظ قرآن میں موجود ہے چند آیات کے ضمن میں اس کے معانی و مطالب میں غور فرمائیں۔

افرءیت من اتخذ الٰهه هواه (۱۴)

"بھلا دیکھ تو جس نے ٹھہرالیا اپنا حاکم اپنی خواہش کو" (ترجمہ شیخ الہند)

فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الهویٰ (۱۵)

سو تو حکومت کر لوگوں میں انصاف سے اور نہ چل جی کی خواہش پر۔ (شیخ الہند)

ولا تتبع اهواء الذین لایعلمون (۱۶)

اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔ (مولانا مودودی)

ولا تتبع اهواءهم واحذرهم (۱۷)

اور نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اور آپ ہوشیار رہیں ان سے۔ (کرم شاہ)

اس کے علاوہ یہ لفظ "ھوا" سورۃ البقرہ کی آیت ۱۲۰، سورۃ مائدہ کی آیت ۷۷، سورۃ انعام کی آیت ۵۶، سورۃ ابراہیم کی آیت ۴۳، سورۃ قصص کی آیات ۱۰ اور ۵۰، سورۃ شوریٰ کی آیات ۱۵ اور سورۃ سبا کی آیت ۲۸ میں بھی وارد ہوا ہے۔

ان تمام آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے یہ لفظ اسی مفہوم میں لیا ہے۔ جس میں جاہلی شاعر نے۔ اس مقام پر امراءالقیس کی ادبی رسائی کا جواب نہیں اس مرحلہ پر ہماری توجہ علماء اصول تفسیر کی خدمات کی طرف مبذول ہوتی ہے جنہوں نے تفسیر قرآن کیلئے دیگر جملہ علوم کے ساتھ ساتھ جاہلی شعراء کے حالات زندگی، ان کی شاعری اور اس کے پس منظر کا مطالعہ لازمی قرار دیا ہے۔ امراءالقیس نے اسلام سے چالیس سال پہلے کا زمانہ پایا۔(۱۸)۔ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا تھا۔ "اشعر الشعراء قائدھم الی النار" (۱۹) یعنی وہ شاعروں کا سرتاج تو ہے ہی لیکن جہنم کے مرحلہ میں ان سب کا سپہ سالار بھی ہے۔ بہر حال "عشق" قرآن وحدیث میں مذکور نہیں ہے۔ شاید یہ لفظ اسلامی ادبیات کے اسلوب اور ادبی وجاہت پر پورا نہیں اترتا تھا اس لفظ کی مسخ شدہ صورتیں بھی اس قول پر دال ہیں۔

آیت قل ان کنتم تحبون اللہ ----- یحببکم اللہ میں یہ امر لائق توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محبت کے بعد اطاعت کا ذکر کیا ہے اور اطاعت کو محبت کی دلیل قرار دیا ہے۔ اسلام ایک

سائنٹیفک دین ہے، جس طرح اپنے ہر دعویٰ کی دلیل پیش کرتا ہے اسی طرح دعویٰ کی دلیل بھی طلب کرتا ہے۔ پس جو لوگ اللہ اور رسول کی محبت کے دعوٰی دار رہے ہیں۔ یا ہوں گے۔ ان کے قول کی تصدیق یا تردید قرآن کے اسی اصول کی بنیاد پر کی جائیگی۔

"محبت ایک مخفی شے ہے۔ کسی کو کسی سے محبت ہے یا نہیں کم ہے یا زیادہ ہے اس کا کوئی پیمانہ بجز اس کے نہیں کہ یہ دیکھا جائے کہ عشق و محبت کے دعوٰی دار اپنے محبوب کی کتنی اطاعت کرتا ہے اللہ اور رسول کی محبت کی کسوٹی قرآن نے اتباع محمدی بیان فرمائی ہے۔(۲۰)

اس اصول کو سمجھنے میں عام طور پر جو غلطی سرزد ہوئی ہے وہ یہ کہ آج صرف ظواہر اسلام نماز، روزہ، حج، زکوۃ یا زیادہ سے وضع قطع میں آنحضرت کی اطاعت واتباع ہی کو کافی سمجھ لیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مبادیات اسلام (عبادات) ہیں ان سے غفلت فسق وفجور اور انکار کفر ہے لیکن یہ عبادات بذات خود مقصد ہیں؟ یا مقاصد عالی کے حصول کا ذریعہ اور طریقہ بھی ہیں۔ قرآن نماز، روزہ کے مقاصد خود بیان کرتا ہے۔

ان الصلوۃ تنھیٰ عی الفحشا۔ و المنکر (۲۱)

یا یھاالذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون (۲۲)

اسی طرح فلسفہ زکوۃ اور حج سے بھی بہت سی معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور روحانی اصلاحات مقصود ہیں اور تو اور جہاد جسے یورپ بنیاد پرستی اور دہشت گردی کا نام دیتا آیا ہے اس کا مقصد بھی فتنہ و فساد کی بیخ کنی اور امن واحترام کی فضا کرنا ہے

و قتلوھم حتیٰ لاتکون فتنة و یکون الدین للہ (۲۳)

گویا عبادات کے اس جامع اور پاکیزہ نظام کا مقصد انسان کے باطنی احوال صبر، شکر، توکل، رضا، احسان، نیکی، محبت، سخا، ایثار، سچائی، خلوص، زہد، اتحاد، یقین، نظم اور دیگر اخلاق حسنہ کی طرف مائل کرنا نیز اخلاق رذیلہ شہوت، غضب، حقد، حسد، حب دنیا، حب جاہ، بخل، حرص، ریا، غرور اور تکبر جیسے افکار بد کا ازالہ کرنا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے "حقیقت تصوف" کے دیباچہ میں بڑی کام کی بات لکھی ہے۔

"اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ظاہری اعمال سب ہی باطن کی اصلاح کیلئے ہیں اور باطن کی صفائی مقصود و موجب نجات اور اس کی کدورت موجب ہلاکت ہے" (۲۴)

قد افلح من زکھا و قد خاب من دسھا (۲۵)

پس لازم ہے جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعوی دار ہے۔ وہ اپنے ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن پر بھی خصوصی توجہ دے۔ ظاہر و باطن کی بحث کا رخ اطاعت و محبت کی طرف پھیریئے تو معلوم ہوگا کہ محبت کا تعلق باطن سے ہے اور اطاعت کا تعلق ظاہر سے نتیجہ یہ نکلا کہ نجات کیلئے ظاہر و باطن یعنی محبت واطاعت کا متحد ہونا اور ساتھ ساتھ چلنا نہتائی ضروری ہے۔ ورنہ آپ جانتے ہیں کہ بغیر محبت کے اطاعت بڑی منافقت ہے اور اس کی اکی مثال عبداللہ بن ابی اور اس کے

منافق دوستوں کا طرز عمل ہے۔ دوسری طرف یہ بھی یاد رہے کہ صرف محبت ہی نجات کیلئے کافی نہیں ہے اور اس کی ایک مثال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب ہیں لیکن بہر حال فقط محبت کا بھی کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہو گا۔ (۲۶) یہی وجہ ہے کہ صحابہ تابعین، تبع تابعین، اولیاء اللہ، صوفیا و مشائخ اور علماء حق نے اللہ اور رسول سے محبت بھی کی اور اطاعت بھی کی۔ سچا عاشق وہی ہے۔ جو سچی اطاعت واتباع کا خوگر ہو۔

سہیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"محبت یہ ہے کہ تو اطاعت گزاری پر قائم رہے اور محبوب کی مخالفت سے دور رہے" (۲۷)

ابو عبداللہ قرشی کا فرمان ہے کہ "حقیقی محبت یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو کلیۃً محبوب کے حوالے کر دے یہاں تک کہ تیرے پاس اپنی ذات میں سے کچھ بھی نہ رہے" (۲۸)

ے جنید رحمہ اللہ کا قول ملاحظہ ہو "محبت یہ ہے کہ خواہ تجھے محبوب سے کچھ بھی نہ ملے پھر بھی تمہارا میلان ے اسی طرف رہے" (۲۹) حضرت شبلی ارشاد فرماتے ہیں۔ "محبت کو محبت اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ دل سے محبوب کے سوا تمام چیزوں کو محو کر دیتی ہے"۔ (۳۰)

حضرت علی رضی اللہ تعالی سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت تھی؟ آپ چنے ارشاد فرمایا "خدائے پاک کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے نزدیک اپنے جانوں، اور اپنی اولادوں سے اور اپنی ماؤں سے اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے" (۳۱)

اور کیوں نہ ہوتے کہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ صحیح بخاری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت موجود ہے۔

لا یومن احد کم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ (۳۲)

ایک دوسری سند سے اس روایت کے آخر میں والناس اجمعین کا اضافہ ہے۔ (۳۳)

حقیقی محبت تو اللہ اور رسول کی محبت ہی ہے۔ یہاں تک کہ اس عشق و محبت کے بارے میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں کہ "اسلام عشق سے پیدا ہوا، بلکہ عشق ہی کا دوسرا نام اسلام ہے" (۳۴)

لیکن عشق کی ایک اور قسم قدیم سے چلی آرہی ہے میری مراد عشق مزاجی سے ہے جو عام طور پر مرد اور عورت کی محبت پر مشتمل ہوتا ہے آج کل صرف متضاد صنفوں کے ظاہری اور باطنی تعلقات تک محدود ہو کر رہ گیا ہے مشرقی ادب اور لوک ورثہ میں اس کی مثالیں لیلیٰ و مجنوں، شیریں فرہاد، سسی پنوں، ہیر رانجھا اور مرزا و صاحباں وغیرہ ہیں۔ یہ کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ ان کے آباد اجداد کی تفصیل کیا تھی؟ ان کا کردار کیا تھا؟ ان کا انجام کیا ہوا؟ اور عاشق و معشوق کے خاندانوں اور معاشرے پر ان کے عشق کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟ اور اب تک ان کے عشقیہ کارناموں کی کیسی کیسی تاویلات ہوتی رہیں ہیں؟ ان کے روحانی وراث کون لوگ ہیں؟ یہاں ان تمام امور سے بحث نہیں ہے۔ عرض صرف یہ کرنا ہے جس چیز کو ہم عشق مجازی کے نام سے جانتے ہیں وہ عشق ہے نہ محبت ہے۔ حیوانی اور سفلی جذبات

کو عشق و محبت کا نام دینا ان لوگوں کا کارنامہ ہے جو آب حیات کے نام پر زہر ہلاہل دینے کے ماہر ہیں۔ اس کی ترویج کے لیے ہمارے (PRINT ELECTRONIC MEDIAS) کوشاں ہیں۔ نفسانی خواہشات کے مہذب اظہار کا سلیقہ ہے، دماغ کا خلل اور روح کا انتشار ہے، جوانی کا چند روزہ خمار اور معاشرہ کا بگاڑ ہے۔ یہ وہ تخریبی جذبہ ہے جس کے بارے میں مسولینی (۳۵) نے کہا تھا۔

"محبت وہ کھیل ہے جس میں عقل ہار جاتی ہے"۔

ہٹلر (۳۶) کا قول ہے "محبت انسانی عظمت کے ستونوں کیلئے دیمک کا کام دیتی ہے" نپولین بونا پارٹ (۳۷) "میں اجتماعی مصلحتوں کی بنا پر اور مرد کی سعادت کیلئے محبت کو مضر سمجھتا ہوں"

مولانا الطاف حسین حالی اس عشق سے یوں مخاطب ہوئے ہیں۔

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا

جس گھر سے سر اٹھایا اس کو بٹھا کے چھوڑا۔ (۳۸)

اسی مخرب حیات عشق کے بارے میں حالی کی یہ رباعی بھی لائق توجہ ہے

ہے عشق طبیب دل کے ماروں کا

یا خود ہے وہ گھر ہزار آزاروں کا

ہم کچھ نہیں جانتے پر اتنی ہے خبر

اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا (۳۹)

فی زمانہ جذبہ عشق کی تاویلیں ہو رہی ہیں۔ اس پر ڈاکٹر خلیفہ کا تبصرہ بھی ملاحظہ فرمائیں اس تبصرہ کو ہمارے اخلاقی، معاشرتی، ادبی اور سیاسی حالات سے خاص نسبت ہے۔

"کیا عشق کی صورت کو انسانوں نے مسخ نہیں کیا؟ انسانوں کو جن جذبات نے تباہ کیا ہے ان میں ہوس بھی ہے جو عشق کا بھیس اختیار کر لیتی ہے اور اس فریب سے عشق کی تمام قوتیں تعمیر حیات کی بجائے تخریب حیات کا باعث ہوتی ہیں۔ کبھی ذوق اقتدار عشق کا جامہ پہن لیتا ہے اور کبھی ادنیٰ شہوات اپنا نام عشق رکھ لیتی ہیں"۔ (۴۰)

ہمارے شاعروں، ادیبوں اور فنکاروں کے بہت بڑے طبقے کی ادبی، فکری اور عملی صلاحتیں اسی عشق کی اشاعت میں صرف ہوتی رہیں ہیں۔ آج سے چند برس پہلے کی فلموں اور ڈراموں میں ایک ہیرو اور ہیروئن نوجوان کی اخلاقی تباہی کا فریضہ بخوبی انجام دیتے تھے۔ لیکن اس کو ناکافی سمجھتے ہوئے۔ اب نئے فلمی ادب میں (سینما، ٹی وی، ویڈیو وغیرہ) کئی کئی سیٹ (جوڑے) محبت کرتے ہوئے دکھائے جاتے ہیں۔ ایسے ادیبوں، فلم سازوں اور ہدایت کاروں کے بارے میں علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

عشق و مستی کا جنازہ ہے تخیل ان کا

ان کے اندیشہ تاریک میں قوموں کے مزار

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس

آہ ! بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار (۴۱)

اس بحث سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اسلام میں عشق و محبت نامی کوئی چیز نہیں ہے۔ اسلام میں تصور محبت اور اس کا معیار بیان کیا جاچکا ہے عام انسانوں کے بارے میں یہ تصور اخوت انسانی، رواداری، مساوات اور انسانی ہمدردی کے جذبات سے جڑا ہوا ہے۔

اور مولانا روم اسے تمام انسانی امراض کا علاج بتاتے ہیں۔

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد　　　او ز حرص و عیب کلی پاک شد

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما　　اے طبیب جملہ علتہائے ما

مولانا نے اپنا فلسفہ عشق ان اشعار میں بیان کیا ہے

از محبت تلخہا شیریں شود　　　از محبت مسہا زریں شود

از محبت خارہا گل می شود　　　وز محبت سر کہا مل می شود

از محبت دار تختے می شود　　　وز محبت بار بختے می شود

از محبت حزن شادی می شود　　　وز محبت غول ہادی می شود

از محبت سقم صحت می شود　　　وز محبت قہر رحمت می شود (۴۲)

رومی کے ہاں محبت "اخلاق حسنہ" کا مجموعہ ہے ان افکار کو ریڈیو، ٹی وی، افسانہ اور ناول کی محبت سے کیا نسبت ہوسکتی ہے اسی طرح اقبال کے ہاں بھی عشق زندگی کی صحت مند قدروں کی آبیاری کرتا ہے۔ عشق ان کے نظام "خودی" کا ایک لازمی اور بنیادی عنصر ہے جو ایمان اور یقین کے مترادف ہے۔ "بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق" اس مصرع میں "آتش نمرود" ایک تاریخی اور قرآنی تلمیح ہے اور عشق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کا متبادل ہے۔

صدق حسینؓ بھی ہے عشق، صبر حسینؓ بھی ہے عشق

معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق (۴۴)

اس شعر میں عشق کی تاویل بجز ایمان کے اور کیا ہوسکتی ہے۔ "جاوید نامہ" میں یہی بات آپ قدرے وضاحت سے کہتے ہیں۔

زندگی را شرع و آئین است عشق　　　اصل تہذیب است دیں، دیں است عشق

دیں نگردد پختہ بے آداب عشق　　　دیں بگیر از صحبت ارباب عشق (۴۵)

ان اشعار کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مولانا رومی اور علامہ اقبال بھی صرف اسی محبت کے داعی ہیں۔ جس کی بنیاد دین اسلام پہ رکھی گئی ہو۔ پس عام مرد و عورت کی محبت کو مجازی محبت بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ دین اسلام نے مرد عورت کے درمیان صرف چار رشتوں کا ذکر کیا ہے۔ عورت ماں ہے، عورت بہن ہے، بیوی ہے، اور بیٹی ہے۔ پس دین فطرت انہیں چار رشتوں کے حوالے سے مرد

وزن کی محبت کا تذکرہ کرتا ہے۔ آپ اس محبت کو طبعی محبت کہیں۔ عارضی کہیں، غیر حقیقی کہیں یا مجازی کہہ لیں۔

اردو لغت میں مجازی کے معانی غیر حقیقی اور غیر اصلی کے ہیں۔ یہ دنیا اور اس کے تمام لوازمات عارضی ہیں۔ یہاں کی زندگی، موت، خوشی، غمی، دکھ، درد، محبت، نفرت، جمال، کمال، زوال، خوبصورتی، بدصورتی وغیرہ اپنی اصل اور بقا کے اعتبار سے عارضی اور غیر حقیقی ہے۔ ان کی مستقل اور حقیقی شکلیں آخرت میں موجود ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ہم انہیں نمونہ کہہ سکتے ہیں۔ کون بیوقوف نمونہ کو اصل کہے گا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے فضل الباری میں محبت کی پانچ اقسام بیان کیں ہیں۔

حب طبعی، حب احسانی، حب جمالی، حب کمالی اور حب عقلی۔(۴۷) یہ تمام مجازی محبت کی صورتیں ہیں۔ ان میں حب طبعی غیر اختیاری چیز ہے۔ مثلاً والدین اور اولاد کی محبت لیکن اس کا تعلق بھی صرف دنیا کی زندگی سے ہی ہے اور بعض اوقات تو دنیا ہی میں بے مزا ہوجاتی ہے۔ باقی تمام محبتوں کی بنیاد محض عارضی، وقتی اور ہنگامی نوعیت کی ہوتی ہے۔ مثلاً حب جمالی کی وجہ جمال ہے۔ یہ اچانک کسی حادثہ کا شکار نہ بھی ہو تو بھی وقت کے ساتھ ساتھ مدہم تو پڑتی جاتی ہے۔ مالی و کمالی محبت کو آپ خود غرضی کہہ سکتے ہیں کہ مال وکمال کے زوال کے ساتھ ہی دم توڑ دیتی ہے۔ اگر ہم غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ تمام مجازی محبتوں کی بنیاد یا تو ہماری اغراض ہیں یا جذبہ ہمدردی وغیرہ جیسے یہ محرکات اور وجوہات ختم ہوتی ہیں ہماری وفاداریاں بھی ختم یا تبدیل ہوجاتی ہیں۔ لیکن فرسودگی دہر کے باوجود یہ مجازی محبتیں بھی انسانی زندگی کی ضرورتیں ہیں اور قرآن وحدیث میں مختلف حوالوں سے ان کا ذکر اور تاکید موجود ہے۔ مثلاً والدین کی محبت اور اطاعت اسی طرح درجہ بدرجہ بیوی، بچوں اور رشتہ داروں اور دیگر مسلمانوں سے محبت واخوت اور احسان کا معاملہ اسی جذبہ کی اعلیٰ وادنیٰ شکلیں اور ان کی معتدل صورت اسلام کا نظام حقوق وفرائض ہے۔ ان محبتوں (مجازی) کی اساس دین فراہم کرتا ہے اس لیے ان سے فرار یا نفرت شریعت کے معاشرتی اور اخلاقی پہلو سے روگردانی ہے جس کا نتیجہ عام طور پر رہبانیت کی شکل میں برآمد ہوتا ہے۔ جو اسلام کی ضد ہے۔ لیکن جب یہ محبتیں مال منال، آل اولاد اور زراعت وتجارت کی محبت کے ساتھ مل کر حقیقی محبت پر غالب آنا چاہتی ہیں تو قرآن اسے دنیا کی محبت (مجازی) سے تعبیر کرتا ہے اور انجام سے یوں خبردار کرتا ہے۔

قل ان کان آباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتیٰ یاتی اللہ بامرہ۔(۴۸)

یہ دنیا اپنی بے ثباتی کے باوجود ملعون نہیں ہے۔ اسی پر ہماری آخرت کا دارومدار ہے معروف حدیث ہے کہ "دنیا آخرت کی کھیتی ہے"۔ اس کھیتی کو برباد کرنا اپنی آخرت کو غربت وافلاس کے حوالے کرنا ہے پس ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم دنیا اور اس کی مجازی محبتوں کو اتنی

اہمیت نہ دیں کہ ہماری آخرت اور حقیقی محبتیں بگڑنے لگیں۔عنقریب ایک دن ایسا آنے والا ہے۔جب دنیااور اس کی ساری محبتیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فنا ہوجائیں گی۔ لیکن وہ انسان جس نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اطاعت کی ہو گی۔ وہ ابدی اور لازوال محبتوں، وصالوں اور ملاقاتوں کا مالک ہو گا۔ وہ عاشق بھی ہو گا اور معشوق بھی لیکن جس نے دنیا کی عارضی رنگینیوں سے اپنے دامن کو آلودہ کیا۔ وہ عشق و محبت کی لذت سے دنیا و آخرت میں محروم ہوجائیگا۔ مولانا روم نے بجا ارشاد فرمایا ہے۔

عشق آں زندہ گزیں کو باقی ست ـ وز شراب جانفزایت ساقی ست

عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیاء ـ یافتند از عشق او کار و کیا (۴۹)

ترجمہ۔۔ ''اس زندہ کا عشق اختیار کر جو سدا رہنے والا ہے اور جانفزا شراب سے تجھے سیراب کرنیوالا ہے اس کا عشق اختیار کر کہ تمام نبیوں نے اس کے عشق سے عزو و شرف پایا''۔

حواشی و تعلیقات

۱) لوئیس معلوف، المنجد (اردو) مترجمین مولانا سعد حسن خاں یوسفی، پروفیسر عبدالصمد صارم وغیرہ، دارالاشاعت کراچی، اشاعت دوم ۱۹۹۰ء P ۸۰۶

۲) سورۃ آل عمران، آیت ۳۱

۳) سورۃ البقرہ، آیت ۱۶۵۔

۴) حافظ عمادالدین ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر (اردو)، ضمیر انسانیت، (لاہور) ۱۹۸۴ء، ۸۰، ۲۱۔
شیخ الہند مولانا محمود الحسن، تفسیر عثمانی، تاج کمپنی، لاہور سن ندارد، ۴۰
مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن جلد اول، ادارۃ المعارف کراچی، ۱۹۸۲ء P ۴۰۸۔
مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، جلد اول (تفہیم القرآن) ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، اشاعت پنجم، ۱۹۸۵ء، ۱۳۱
پیر کرم شاہ، ضیاالقرآن، جلد اول، ضیا پبلی کیشنز، لاہور، اشاعت پنجم، سن ندارد، ۱۱۲

۵) سورۃ البقرہ، آیت ۲۲۲،

۶) علامہ شبیر احمد عثمانی، فضل الباری شرح اردو صحیح البخاری، جلد اول، الرابطۃ العلمیۃ الاسلامیہ العالمیۃ، کراچی، ۱۹۷۳ء ص ۳۳۶

۷) ایضاً ص ۳۳۳۔

۸) ایضاً ص ۳۳۶، ۳۳۴

۹) نام ابوالحارث مندج بن حجر الکندی۔ جاہلی شعرا میں ممتاز ترین، شاعری میں متعدد اصناف کا موجد۔ الملک الضلیل (گمراہ بادشاہ) اور ذوالقروح (زخموں والا) کے القابات سے ملقب۔ سیر و شکار، کھیل کود، شراب نوشی، شاہد بازی، عشق بازی اور عورتوں سے معاملہ بندی اور

فحش گو شاعر۔ اپنی چچازاد سے عشق کیا اور مشہور قصیدہ (معلقہ) لکھا۔ اس قصیدے کا دنیا کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس کا ایک دیوان بھی ہے۔ جو پہلی بار پیرس میں ۱۸۷۷ء میں شائع ہوا۔ مزید دیکھیے حاشیہ نمبر ۱۰ اور ۱۸۔

عربی میں سبع سات اور معلقات لٹکنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ سبع معلقات سے مراد دور جاہلیت کے فحول شعراء کے شاہکار سات قصائد کا مجموعہ ہے جو دیوار کعبہ پر آویزاں کر دیا گیا تھا اور جسے عربی زبان میں فصاحت و بلاغت کا معیار تصور کیا جاتا تھا۔ تفصیل کیلئے دیکھیں پروفیسر فضل الٰہی ملک کے "مقالات" اعوان مطبوعات، پنڈ دادن خان، طبع دوم ۱۹۹۰ء، P ص ۱۳۱-۱۳۶۔

امراء القیس، معلقہ، مشمولہ "السبع معلقات" ترجمہ اردو مع شرح عربی از محمد اسماعیل سلفی، المکتبۃ السلفیہ لاہور، ۱۹۷۱ء، P ۳۴۔

ایضاً ص ۲۶۔

۱۳) ایضاً ص ۴۲

۱۴) سورۃ جاثیہ، آیت ۲۳،

۱۵) سورۃ ص، آیت ۔۲۶

۱۶) سورۃ جاثیہ، آیت ۱۸۔

۱۷) سورۃ المائدہ، آیت ۴۹

۱۸) محمد اقبال، ڈاکٹر، "جناب رسالت مآب کا ادبی تبصرہ" مشمولہ مقالات اقبال، مرتب، سید عبدالوحد معینی، آئینہ ادب، لاہور، بار دوم، ۱۹۸۸ء، ص ۱۴ اس سلسلہ میں ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی کا بیان ہے۔ یہ شاعر ہجرت سے ایک صدی قبل ۵۶۰ میں فوت ہو گیا تاہم یہ بھی کوئی یقینی بات نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی نہ کوئی تحریری سند ہے اور نہ کسی مستند اور ثقہ راوی کی روایت۔ حاشیہ میں تاریخ وفات ۵۴۰ سے لے کر ۵۶۰ بیان کی ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے صفحہ ۱۷۰ کے حاشیہ پر ڈاکٹر طہ حسین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انہوں نے فی الادب الجاہلی" میں الملک الضلیل کی یہ تشریح کی ہے کہ وہ بادشاہ جس کے حالات ہمیں معلوم نہیں۔ (عربی ادب کی تاریخ) جناب احمد حسن زیات نے "تاریخ ادب عربی" میں بھی کچھ ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ عبدالرحمٰن طاہر سورتی کا ترجمہ شائع کردہ شیخ غلام علی اینڈ لاہور سن ندارد صفحہ حاشیہ ۱۰۷۔

۱۹) جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ادبی تبصرہ، ص ۱۴

۲۰) محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، جلد دوم، ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۹۸۲ء، ص ۵۴، ۵۵

۲۱) سورۃ العنکبوت، آیت ۴۵۔

۲۲) سورۃ البقرہ، آیت ۔۱۸۳

۲۳) ایضاً آیت - ۱۹۳-

۲۴) منشی عبدالرحمن خان، سیرت اشرف، جلد دوم، (بحوالہ حقیقتِ تصوف)، شیخ اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۹، ص ۵۶-

۲۵) سورۃ الشمس، آیت - ۹،۱۰-

۲۶) شبلی نعمانی علامہ، سیرت النبی، جلد اول، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۸۵، ص ۱۵۰ - زیر بحث مسئلہ کی تفصیل و تفہیم کیلئے درج ذیل حوالے مفید ثابت ہوں گے - (انشاءاللہ)

ابن ہشام (مرتب) سیرت النبی، مترجم مولانا غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سن ندارد، ص ۴۶۶، ۴۶۷-

ii عبدالرحمن بن خلدون، علامہ، تاریخ ابن خلدون، اول، مترجم حکیم احمد حسن آلہ آبادی، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع ہفتم، ۱۹۸۶ء ص ۵۲-

iii طبری، ابی جعفر محمد بن جریر، تاریخ طبری، مترجم، سید محمد ابراہیم، نفیس اکیڈمی، کراچی، اشاعت پنجم، ص

iv ابن کثیر، عمادالدین، تاریخ ابن کثیر، مترجم پروفیسر کوکب شادانی اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۷ء، ص ۱۷۹، ۱۸۰-

v ندوی، مولانا ابوالحسن، نبی رحمت، مجلس نشریات اسلامیہ، کراچی، بار سوم ۱۹۸۳ء، ص ۱۴۲-

۲۷) ابوقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، "رسالہ قشیر" مترجمہ ومقدمہ وغیرہ، ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارہ تحقیقات، اسلامی اسلام آباد، اشاعت دوم، ۱۹۸۴ء، ص ۵۷۱-

۲۸) ایضاً، ص ۵۷۲-

۲۹) ایضاً، ص ۵۷۴-

۳۰) ایضاً، ص ۵۷۲-

۳۱) محمد ذکریا، مولانا، حکایات صحابہ، ناشران قرآن، لاہور، سن ندارد، ص ۱۷۶-

۳۲) فضل الباری، جلد اول، ص ۳۳۶-

۳۳) ایضاً-

۳۴) خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر، فکر اقبال، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۲۶۱-

۳۵) اٹلی کا فاشسٹ اور سوشلسٹ لیڈر (۱۸۸۳ء - ۱۹۴۵ء)

۳۶) جرمن نازی لیڈر (۱۸۸۹ء - ۱۹۴۵ء) پہلی جنگ عظیم میں ایک سپاہی اور دوسری جنگ عظیم میں سپہ سالار کی حیثیت سے شرکت کی-

۳۷) مشہور فرانسی جنرل، بادشاہ اور قومی ہیرو (۱۷۶۹ء - ۱۸۲۱ء)

۳۸) حالی، الطاف حسین، بحوالہ فکر اقبال، ص ۲۹۹۔

۳۹) ایضاً۔

۴۰) ایضاً، ص ۲۹۸۔

۴۱) محمد اقبال، ڈاکٹر، ضرب کلیم، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱۲۹۔

۴۲) رومی، جلال الدین، مولانا، مثنوی مولوی معنوی، دفتر اول، مترجم قاضی سجاد، فرید بک سٹال، لاہور، سن ندارد، ص ۳۲۔

۴۳) ایضاً، دفتر دوم، ص ۱۵۳۔

۴۴) محمد اقبال، ڈاکٹر، بال جبریل، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۱۱۲۔

۴۵) محمد اقبال، ڈاکٹر، جاوید نامہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۲۰۸۔

۴۶) فیروز اللغات اردو (جامع) فیروز سنز، لاہور، سن ندارد، ص ۱۲۰۴۔

۴۷) فضل الباری، جلد اول، ص ۲۲۷۔

۴۸) سورۃ توبہ، آیت ۴۰۔

۴۳) مثنوی مولوی معنوی دفتر اول، ص ۵۴

بقیہ صـ۱۰

استہزاء اور تمسخر کی سنت کو اور مضبوط بنا دیتی ہیں ساتھ ہی وہ طبقہ جو گو فسق وفجور کا شکار نہ ہو مگر تقویٰ وتقدس کی طرف بھی کوئی خاص میلان نہ رکھتا ہو وہ بھی فسق وفجور کا غلبہ دیکھ کر ادھر مائل ہو جاتا ہے پھر وہ خالص حقانی طبقہ جو علم واخلاص کا سرمایہ لیے رہتا ہے بے کس بے بس رہ جاتا ہے جس میں سے کمزور دل لوگ اس بے کسی کی مصیبت سے تنگ آ کر بالآخر ادھر ہی جا ملتے ہیں اور اسی طرح رفتہ رفتہ دیانت بے سیاست اپنا وجود ختم کر دیتی ہے۔ غلامی اور محکومی کے منحوس آثار رفعت وشوکت کے سارے جذبات ختم کر کے خود ہی بلا شرکت غیرے غالب آجاتے ہیں اور پھر ہر طاقتور کمزور کو کچل دیتا ہے اور خود وہ اپنے سے زیادہ طاقتور کے ہاتھوں کچلا جاتا ہے۔ ظالم مظلوم کو ختم کر دیتا ہے اور وہ اپنے سے زیادہ ظالم کے ہاتھوں فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے دنیا و آخرت کا خسارہ بن جاتا ہے اس لئے یہ نتیجہ صاف ہے کہ جب تک دیانت کے ساتھ سیاسی طاقت اور سیاست کے ساتھ علم واخلاق کی دیانت نہ ہو کبھی امن وچین کا سانس نہیں لے سکتی اس لئے اسلام نے دین کی رہبانیت کو ختم کر کے اس کے ساتھ سلطنت ملائی اور سلطنت کی ملوکیت کو ختم کر کے اس کو خلافت کا جامہ پہنایا جس سے دیانت وسیاست کا حکیمانہ امتزاج قائم ہوا کہ دیانت کی بے مونسی سیاست سے ختم ہوئی اور سیاست کا جور واستبداد دیانت سے پامال ہو گیا۔ چنانچہ اسی جامعیت کی طرف کھلے اشارے فرمائے گئے احادیث نبویہ میں:

"ملک اور دین دو جڑواں بھائی ہیں میں نرم اور سخت بنا کر بھیجا گیا ہوں، ہنسنے والا اور لڑنے والا ہوں"

"ھجرت اور اسلامی سلطنت"

دلشاد بیگم اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات گورنمنٹ فرنٹیر کالج پشاور

ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت ایک ایسا واقعہ ہے، جس کے متعلق صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ مشیت ایزدی نے ذہن انسانی کے انقلاب عظیم کا آغاز اس سادہ سے واقع کے ساتھ منسلک کر دیا تھا۔ جس میں نسل انسان کے عظیم ترین محسن اور اس کے صادق ترین دوست نے غیر معروف راستوں سے گزر کر ایک چھوٹی سی بستی کو بارونق بنایا اور اسے جزیرۃ العرب جیسی وسیع مملکت کا صدر مقام قرار دیا۔ اس سادہ سے واقعہ کے ساتھ فکر انسانی کے عظیم ترین انقلاب کا آغاز وابستہ ہے وہ انقلاب جس نے انسانیت کو ہزاروں صدیوں پرانے دستور کار سے آزاد کیا اور خالق کائنات نے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اپنی جانب سے نزول ہدایت کا دروازہ بند کر دیا اور آئندہ کیلئے انسانیت کو اجازت دی کہ اس آخری کتاب کی روشنی میں اپنے اذہان کی رہبری میں اپنے تمام اجتماعی امور کو حل کرتی رہے۔

ہجرت کے مقام کے تعین پر جب ذہن انسانی غور کرتا ہے، تو اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اگر ہجرت مدینہ نہ ہوتی تو بھی ضرور قادر مطلق اپنے پسندیدہ دین کو کسی اور ذریعے سے انسانی بستیوں تک پہنچانے کا بندوبست کرتے۔ نئے نظام کے اجزاء کیلئے نیا ماحول ضروری تھا۔ مگر یہ بات صرف انسان کا خالق ہی جان سکتا تھا۔

ابتداء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت نجی مجالس میں پیش کیا کرتے تھے تا کہ لوگ اسے ایک نئی نرالی بات سمجھ کر یک دم اس سے دور نہ ہٹ جائیں۔ بعثت نبوت کے تیسرے سال یعنی 613ء میں حضور کو یہ حکم ملا۔

ترجمہ۔ جس بات کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے اسے واشگاف الفاظ میں پیش کرو اور مشرکین سے اعراض کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی تعمیل کی اور اس دعوت کو پورے زور وشور سے پھیلانا شروع کیا، آپ نے لوگوں کو اس بات کی نصیحت کی کہ وہ صرف ایک خدا پر ایمان لائیں۔ اسی کے بندے بن کر رہیں اور اپنے آبائی شرک، کفر اور بت پرستی کو ترک کر دیں۔ اس دعوت کے راستے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کے ہاتھوں بڑے بڑے مصائب برداشت کئے۔ آپ پر پتھر برسائے گئے آپ کے دروازے پر غلاظت کے انبار لگائے گئے۔ آپ کے قتل کی تدابیر سوچی گئیں۔ غرضیکہ آپ کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جس کا تصور کر کے جبین انسانیت شرم وحیا کے مارے عرق آلود ہو جاتی ہے۔ حضور صبر وثبات کے ساتھ یہ سب کچھ جھیلتے رہے مگر اپنی دعوت سے دستبردار نہ ہوئے آخر کار مکہ سے مدینے کو ہجرت کرنے کا پیام آپہنچا۔ ہجرت ہی کے ذریعے ملت اسلامیہ کا وجود بحثیت ملت تسلیم کیا گیا۔ اسلئے کہ مکہ مکرمہ میں امت مسلمہ موجود تھی مگر اسے جمہوریت حاصل نہیں ہوئی تھی

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو باقاعدہ ملت کا مقام حاصل ہوا۔ جو رفتہ رفتہ ہر سمت قبول کیا گیا۔ اس ملت کی مملکت کا آغاز اہل یثرب کی ملک زمینوں سے بڑھا کر جزیرۃ العرب کی قدرتی سرحدوں کے قریب لے جایا گیا۔ اور ان غیر واضح سرحدوں کی مملکت کا صدر مقام یثرب قرار پایا۔ ایک نئی ملت کی مملکت کو نیا نام بھی دیا گیا۔ جو مدینۃ النبی قرار پایا اور رفتہ رفتہ صرف مدینہ رہ گیا۔ اگر کوئی نکتہ چین یہ کہے کہ ہجرت کی تہہ میں مملکت مدینہ کا سربراہ بننے کی خواہش پنہاں تھی تو وہ سراسر غلط ہوگا۔ اسلئے کہ بعثت کے بعد جب اہل مکہ پر نئے نظریہ حیات اور اس کے پیدا کردہ نظام زندگی کی حقیقت کا انکشاف ہوا تو انہوں نے حضور کے پاس عتبہ بن ربیعہ کو جس کا شمار مکہ کے مقتدر لوگوں میں ہوا کرتا تھا۔ سفیر کے طور پر پہنچا اور اس نے اہل مکہ کی تجاویز حضور کے سامنے رکھیں ان تجاویز کا مقصد یہ تھا کہ حضور اپنے عطا کردہ نظام زندگی سے دستبردار ہوجائیں اور ماقبل کے نظام زندگی کو بدستور قائم رہنے دیں۔ اس کے عوض ہم تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم کرلیں گے اور کوئی بھی تمہاری اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کرے گا۔ اگر حضور کا مقصد حصول دولت و حشمت ہوتا تو قریش سب کچھ دینے پر تیار تھے۔ کیونکہ آپ کے مخالف ہونے کے باوجود مکہ والوں نے آپکو "امین" کا خطاب دیا ہوا تھا۔ وہ حکومت کی امانت بھی آپکو دینے کو تیار تھے شرط صرف یہ تھی کہ آپ اسلام کی تبلیغ چھوڑدیں۔ دوسری طرف آپ کسی طرح بھی اپنے فریضہ حق سے باز آنے والے نہ تھے۔ بلکہ ایک مرتبہ جب آپ کے چچا کو بھی مشرکین مکہ نے مجبور کیا کہ آپ کو دعوت حق سے روکیں تو جب چچا ابوطالب جس نے باپ بن کر پالا تھا آپ کو بلایا اور فرمایا بیٹا مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈال جو میں اٹھا نہ سکوں تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ سورج اور ایک پر چاند رکھ دیں تب بھی میں اپنا فرض ادا کرتا رہونگا یا تو خدا اس دین حق کو پھیلا دے گا یا میں اس کی تبلیغ میں جان دیدونگا۔ لیکن مرتے دم تک راہ حق سے سرمو کنارہ کشی نہ ہونگا۔ تو چچا نے فرمایا جا بیٹا خدا تمہاری مدد کرے میں تمہارے ساتھ ہوں۔

دین حق کی تبلیغ کی خاطر آخر کار آپ کو اپنا آبائی وطن چھوڑنا پڑا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ کو ہجرت کی۔ حضور اقدس کا مدینہ منورہ پہنچنا تھا کہ اہل مکہ نے مدینہ کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔ کون جانتا ہے کہ اگر اہل مکہ نے یہ اعلان جنگ نہ کیا ہوتا اور حضور کی جانب سے دفاع ملت و مملکت کے انتظام مکمل نہ کرلئے گئے ہوتے تو اسلام کے پھیلنے کی رفتار کیا ہوتی اور اسے کون سے مراحل سے گزرنا پڑتا۔ لیکن مشیت ایزدی کو یہی منظور تھا کہ اس عظیم فریضہ کی تکمیل واقعہ ہجرت کے ذریعہ ہو۔ اللہ رب العالمین ہی عالم الغیب ہے۔ اس ہجرت کے دور رس نتائج نکلے۔ جنہوں نے نوسال کی جنگ کے دوران غزوات اور سرایا کی شکل اختیار کی اور پھر فتح مکہ پر منتج ہوکر تمام عرب اسلام کے زیر نگین آگیا۔ لیکن اگر غور کیا جائے کہ حضور کا مقصد اگر سلطنت کا حصول ہوتا تو وہ کئی برس پہلے عتبہ بن ربیعہ کی سفارت میں ان کو پیش کش ہو چکی تھی۔ لیکن حضور نے دین حق کی خاطر ہر عیش و آرام کو ٹھکرا دیا تھا۔

حضور پاک نے مدینہ کو ہجرت کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ مہاجرین انصار اور یہود کے درمیان

گفت و شنید کی اور اس کے بعد ایک معاہدہ مرتب کیا جس کی اہم اور خاص شرطیں یہ تھیں۔

(1) ہر قبیلے کے مقدمات و معاملات انہی کے قوانین و رواج کے مطابق حل ہونگے۔

(2) اگر مدینے پر کوئی بیرونی دشمن حملہ آور ہو گا تو مسلمان اور یہود ملکر مدافعت کریں گے۔

(3) مدینے کا کوئی فریق (مسلمان اور یہودی) کسی بیرونی قبیلے سے براہ راست معاہدہ کرنے کا مجاز نہ ہو گا۔

(4) مدینے کے باہر کوئی جنگ ہوئی تو کسی کو شامل ہونے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔

(5) مدینے کے تمام نزاعی امور کا آخری فیصلہ حضور صادر فرمائیں گے۔

اس معاہدے کی رو سے جدید سیاسی اصطلاح میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ مدینے میں دولت مشترکہ (Common Wealth) قائم ہو گئی اور مسلمانوں کو داخلی طور پر سکون و اطمینان میسر آ گیا اور دعوت اسلام کو اسقدر فروغ اور مقبولیت حاصل ہوئی کہ عبداللہ بن سلام اور ابو قیس صرمہ جیسے اکابرین یہود و نصاریٰ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ مکے کا دور بڑی مظلومیت اور پریشانی کا دور تھا جہاں آزادی کے ساتھ نماز پڑھنا بھی دشوار تھا۔ مگر مدینے میں کسی روک ٹوک کے بغیر اذان و تکبیر کے ساتھ مسلمان باجماعت نماز ادا کرنے لگے مدینہ کی مملکت کی بنیاد اس عہدنامہ کی رو سے تسلیم ہوئی جسے "میثاق مدینہ کا نام دیا گیا تھا۔ اگر تاریخی طور پر دیکھا جائے تو یہ پہلا آئین ملکی ہے۔ جسے تحریر میں لایا گیا اور پھر صدیوں بعد دوسرے خطوں کا انسان تمدن کے اس مقام تک پہنچ سکا جہاں اسے تحریری آئین کی ضرورت کا احساس ہوا یہی وہ دستاویز ہے جس نے ملک و ملت سے متعلق ذمہ داریوں کا احساس فرد اور معاشرے کو دلوایا اس دستاویز کے ذریعے اعلیٰ معاشرے کی شکل و صورت کا خاکہ بھی دکھایا گیا تاکہ جہاں کہیں ملت اسلامیہ کے افراد دوسروں کے ساتھ مل کر رہنا قبول کریں تو ان کی شرائط کی صورت کیا ہو۔

میثاق مدینہ وہ دستاویز ہے جو نبی پاک کی جانب سے ان لوگوں کو پیش کی گئی جنہوں نے حضور کی رہبری قبول کی مدینے سے اوس و خزرج کے علاوہ بنو عوف، بنو سعدہ، بنو حارث، بنو جشم، بنو و وغیرہ جیسے یہود قبائل تھے جو برضا و رغبت میثاق مدینہ میں شامل ہو گئے۔

اس دستاویز کے ذریعے حضور کو مملکت مدینہ کا سربراہ مان لیا گیا تھا اور اس مملکت میں صرف حضور ہی اعلان جنگ کرنے کے مجاز تھے۔ میثاق میں شامل ہونے والے تمام قبائل نے میثاق سے متعلق ہر معاملہ میں اختلاف کے متعلق آپ کا فیصلہ قبول کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ بیرونی طاقتوں کے ساتھ سمجھوتے کا حق صرف آپ کو حاصل تھا۔ اور جنگ کی صورت میں فیصلے کا اختیار بھی آپ کو تھا۔ جنگ کے اخراجات کا بوجھ یکساں طور پر اٹھانا قرار پایا تھا۔ اور اپنے اپنے قبائلی دستوں کو حضور کے زیر کمان دینے کا فیصلہ ہوا تھا۔

میثاق کے ان متفقہ فیصلوں سے واضح طور پر ظاہر ہے کہ حضور کے سربراہ مملکت ہونے کے

علاوہ امور خارجہ اور دفاع مملکت کی ذمہ داریاں بھی آپ کے سپرد کردی گئیں۔
اس معاہدہ کے مندرجات پر اگر آج کے حالات کو مد نظر رکھ کر غور کیا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ تشکیل ریاست کے فرائض انتہائی تدبر سے ہاتھ میں لئے گئے۔ جزیرۃ العرب کو اس معاہدہ کے ذریعے سیاسی، معاشرتی اور دینی وحدت مل گئی اسلام کی نعمتوں کے ذریعے جزیرۃ العرب کو صرف اپنے ہی لئے آزادی اور خود مختیاری حاصل نہیں کرنا تھی بلکہ پورے عالم انسانی کو حقیقی آزادی سے روشناس کرانا تھا۔

یہ وہ تربیتی نظام تھا جس کے طفیل گنتی کے افراد بالآخر شرق و غرب پر چھا گئے۔ مگر اس کامیابی سے قبل انہیں تپتی ہوئی ریت پر سنگ گراں کے بوجھ تلے "احد" احد کا ورد کرنے کی مشق کرنا تھی تاریخ دانوں نے ان گنتی کے ایمان لانے والوں کے ناموں کو محفوظ رکھا ہے۔ یہی وہ گنتی کے نام ہیں۔ جنھوں نے ملت اسلامیہ کی بناء ڈالی تھی۔ یہی اصحاب محمد تھے۔ حضور کی مکہ سے ہجرت اور آپ کا مدینہ منورہ کو اپنا صدر مقام مقرر کرنا ہی ملت اسلامیہ کا باقاعدہ اعلان تھا کہ وہ محض ایک شہر اور اس کی انتظامیہ کا نام نہ تھا۔۔۔ میثاق مدنیہ کے دو پہلو تھے۔ اولاً داخلی جس نے اسے آئین ملکی کا مقام دیا اکثر مورخین ان شرائط کو نظر انداز کر کے تاریخ کو غلط رنگ دیا لیکن اپنی رائے پیش کرنے سے قبل ان کو اس دور کی تاریخی مستند دستاویزات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میثاق کا دوسرا پہلو جزیرۃ العرب کا دوسری طاقتوں سے تخاطب کا پہلو ہے۔ یہ میثاق بیرونی طاقتوں کیلئے اس بات کا اعلان تھا کہ اب مدینہ ایک آئینی مملکت ہے اور اس کا آئینی سربراہ حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور مملکت کا اسلامی قانون ہے اس طرح ہجرت مدینہ اسلامی ریاست کے قیام کا سبب بنی۔

وما علینا الا البلاغ

اقبال کی علمی جستجو!

شاعری میں وطنیت، آفاقیت اور اسلامی نظریات

از ڈاکٹر مولانا حبیب ریحان خاں ندوی ازہری

مواد کی کثرت۔ بعض ادیبوں شاعروں اور فلسفیوں کی شخصیت اور فن پر خامہ فرسائی کرتے وقت ایک محقق مواد کی کمی سے دوچار ہوتا ہے۔ لیکن اقبال جیسی ہمہ گیر جامع صفات، تنوع پذیر اور متضاد آراء رکھنے والی شخصیت پر قلم اٹھاتے وقت وہ کثرت مواد اور ہجوم افکار کے ایک ایسے طلسم ہوش ربا میں گرفتار ہوجاتا ہے کہ اس سے رہائی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، وہ مفکرین ومحققین وناقدین کی ایسی انتہا پسندانہ، افراط و تفریط پر مبنی اور معتدل آراء سے دوچار ہوتا ہے کہ بآسانی ان سے نکلنا دشوار ترین مرحلہ ہوجاتا ہے!

کسی بھی صاحب فن پر لکھنے والا محقق یا ریسرچ اسکالر اپنے ذہنی سانچے، سماجی ماحول، اپنی فکری تربیت اور دینی واجتماعی آراء سے بالکل آزاد ہوکر قلم نہیں اٹھا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال جیسے نابغہ عصر عظیم مفکر، ماہر فلسفہ والہیات وطنی وعربی و آفاقی واسلامی شاعر پر لکھنے والا اپنی مزاجی افتاد، فکری نشوونما ارتقاء اور ذہنی کیفیت ہی سے اخذ واستنتاج واستدلال کرتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اقبال کے بارے میں متعدد ومتنوع اور متضاد فیصلے ہمارے سامنے آتے ہیں جس میں اقبال کے اپنے کلام، متنوع آراء بعض متضاد مضامین اور فکری وتدریجی مرحلہ ارتقاء سے گذرتے ہوئے کچھ بنیادی تبدیلیوں کا بھی بڑا دخل ہے۔

ہے عجب مجموعہ اضداد اے اقبال تو

دارالاقبال بھوپال۔ سرزمین بھوپال علم وفن کی ترجمان ہے، تاریخ شاہد ہے کہ علم وفن ادب اور شعر وسخن کی مشہور شخصیتیں بھوپال سے متعلق رہیں، علامہ ابن حجر کی فتح الباری شرح صحیح البخاری پہلی بار ریاست بھوپال کے مصارف سے مصر میں طبع ہوئی تھی، علامہ شبلی نعمانی کی سیرت النبی کے مصارف طباعت بھوپال سے ادا ہوئے تھے، اس سے قبل بھی علماء محدثین اور اہل علم وفضل وکمال کے قافلے بھوپال آتے رہے اور اس رشک انجم خطے کو سیراب کرتے رہے اور اپنی شخصیتوں کو بھی پروان چڑھاتے رہے۔

دارالاقبال بھوپال سے اقبال کا تعلق بہت گہرا ہے اور اس موضوع پر بے شمار صفحات منظر عام پر آچکے ہیں۔ ان کے دیوان میں بھوپال سے متعلق یعنی بھوپال میں کہے ہوئے شعروں کا وجود اس تعلق کو ظاہر کرتا ہے، علامہ اقبال ادبی مرکز کا قیام اس کا یہ سمینار اور اقبال فہمی واقبال شناسی کی کوشش، اقبال اوارڈ اور اقبال کے نام اور کام سے متعلق جو مخلصانہ کاوشیں بھوپال سے ہورہی ہیں ان پر

علم وادب کا ہر شیدا اور اقبال شناس ان کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے۔

اقبال نے تاتاریوں کی تباہ کاریوں اور بلا کو کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف چیرہ دستیوں کے بعد اسلام کی اپنی داخلی عملی قوت، واجتماعیات و آفاقی توحید اور انسانی مساوات کی تفاعلی اور محرکانہ قوت کا اظہار اس شعر میں کیا ہے۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے　　　پاساں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

یورپ کے عظیم مورخین ومفکرین کا خیال ہے کہ اگر اسلام کے عقائد میں اپنی داخلی طاقت اور اندرونی استحکام نہ ہوتا تو تاتاریوں کی اس خارجی یورش کے بعد اسے صفحہ گیتی سے روپوش ہوجانا چاہیے تھا۔ اور عالم فنا کی مہیب وادیوں سے وہ کبھی دوبارہ ظہور پذیر نہیں ہوسکتا تھا۔

لیکن تھوڑا عرصہ نہیں گذرا تھا کہ تاتاریوں نے جب گوش دل سے اسلام کے آفاقی پیغام اور عقیدہ و عمل کو سنا تو ان کے کام ودہن اس کی لذت سے آشنا ہوئے اور اسلام کے ماہ تمام سے ان کی آنکھیں روشن ہوگئیں اور دل نور بصیرت سے سرشار ہوگئے علامہ سید سلیمان ندوی کی زبان میں۔

نسل سے چنگیزی کی سلطان دیں پیدا ہوا　　　ظلمت تاتار سے مہر مبیں پیدا ہوا

اس کے بعد چھ سو سال تک اسلام کی عظیم ترقی کے جو دروازے کھلے ،ان کی تاریخی داستان بیان کرنی یہاں خارج از موضوع ہے۔

شبلی واقبال پاسبان حرم۔

اقبال کا شعر خود ان کی ذات پر اس طرح صادق آتا ہے کہ مدبر کائنات نے انہیں بھی شبلی نعمانی کی طرح اسلام کی ترجمانی اور حرم کی پاسبانی کے لیے صنم خانے کی آغوش سے نکال کر کعبہ کی دہلیز پر ڈال دیا۔

میں اصل کا خاص سومناتی　　　آباء مرے لاتی ومناتی

لیکن مسلک زندگی کی تقویم وتکمیل کے لیے جو دین درکار ہے وہی سر حیات ہے اور وہ دین محمدی ہے جو دین ابرہیمی کی توحید وحنیفیت (شرک سے بیزاری) اور قربانی وطاعت کا مکمل نمونہ ہے۔

دیں مسلک زندگی کی تقویم　　　دیں سر محمد وابرہیم

دل در سخن محمدی بند

شبلی کی استادیت اور اسلامی خدمات کا اعتراف اقبال نے سید سلیمان ندوی کے نام مکتوب میں اس طرح کیا ہے "مولانا شبلی کے بعد آپ استاذ الکل ہیں۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں" کہ رات کو سیرت نبوی کا مطالعہ کر رہا تھا مولانا مرحوم نے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے جس کا صلہ در نبوی سے عطا ہوگا۔"

صرف ایک اقتباس اور پیش کرتا ہوں "اس وقت سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہ اسلام کی ایک مفصل تاریخ لکھی جائے اگر مولانا شبلی زندہ ہوتے تو میں ان سے ایسی کتاب لکھنے کی فرمائش کرتا"۔

اور اقبال کی اقبال مندی اور بلند طالعی کا عالم تو یہ ہے کہ ان پر لاکھوں صفحات لکھے جا چکے ہیں اور لکھے جاتے رہیں گے اور جب تک کائنات کی تجلی باقی ہے، ان کا کلام باقی رہے گا۔ فکر اقبال کلام اقبال اور پیغام اقبال اب عالمی اقدار کا حامل بن چکا ہے، کسی ایک محروم و مظلوم زباں "اردو" کے فنا ہوجانے یا فارسی کے نامانوس ہوجانے سے بھی اقبال کی عالمی شہرت اور پیغام اقبال کی وسعت و ہمہ گیری ختم نہیں ہوسکتی، پیغام اقبال سے شش جہت روشن، ہفت اقلیم منور اور فکر و عمل کی دنیا ہشت شت بن گئی ہے اور جس طرح سورج سے اس کی تابانی، چاند سے اس کی درخشانی شہد سے شیرینی اور ھول سے نکہت عطر بیزی کو دور نہیں کیا جاسکتا اسی طرح اقبال کے لاہوتی فکر اور بلند پرواز تخیل سے ں کی اثر انگیزی کو علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔

آراء پر تنقید ضروری ہے۔

اس مدح و ثنا کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ اقبال نے فکر و نظر کے مسائل میں کہیں ٹھوکر نہیں کھائی ہے یا ان کے خیالات میں تضاد نہیں ہے یا عقائد و الٰہیات اور دینی و اجتماعی و سیاسی مسائل میں ان سے اختلاف روا نہیں ہے۔ یا وہ تنقید سے ماوراء ہیں کیونکہ ان کے فکری ارتقاء کے تدریجی مراحل کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ خود انہوں نے اپنے نظریات میں تبدیلی کی ہے اور علم و معرفت کے اتاہ سمندر میں جب جب وہ غوطہ زن ہوئے ہیں انہوں نے فکر و نظر کے جدید آبدار موتی اور لعل بدخشاں بر آمد کیے ہیں اور آخر تک ان کی متعدد فکری و فلسفیانہ آراء سے بعض لوگوں کو اختلاف رہا ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ ان کے مذہبی افکار پر بھی اسی طرح ناقدانہ تحلیل و تبصرہ کیا جائے جس طرح ان کے ادبی، اجتماعی اور فلسفیانہ موضوعات پر کیا جاتا رہا ہے۔ راقم نے اقبال کے بعض اشعار کا تنقیدی جائزہ لیا ہے جن کے پیش کرنے کا یہ موقع نہیں۔

طالب علم کی جستجو، طالب حق کی آرزو۔

اقبال نے کبھی اس بات کا دعوی نہیں کیا کہ ان کے افکار و نظریات تنقید و تبصرہ سے بلند ہیں، ان کے طائر لاہوتی نے علم و فکر و فلسفہ اور معرفت و بصیرت کی جس بلند شاخ سدرہ پر اپنا نشیمن بنایا تھا وہاں سے جہل عرفان ناممکن تھا اور پندار تکبر کا وہاں گذر نہیں تھا، انہوں نے کبھی اپنے لیے" عقل کل" "علم محیط" "فکر کامل" اور "بصیرت و معرفت تامہ" کا دعوی نہیں کیا۔ اقبال کبھی اس شعر کے مصداق نہیں بنے۔

زباں سے گر کیا توحید کا دعوی تو کیا حاصل بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

علم وادب اور تحقیق و جستجو کے میدان میں جو شخص تھوڑی بہت کوشش بھی کرتا ہے وہ اس قسم کے غیر علمی اور جاہلانہ دعوؤں سے پرہیز کرتا ہے تو پھر اقبال جیسا محقق و فلسفی اور جویائے حق بھلا کیسے اس میں گرفتار ہوسکتا تھا۔ راقم کے نزدیک اقبال کی اخلاقی و علمی شخصیت کا سب سے زیادہ دل آویز پہلو یہی ہے کہ وہ ساری عمر ایک طالب علم کی جستجو اور ایک طالب حق کی آرزو بنے رہے، وہ اپنی آراء وافکار و نظریات کو نہ صرف یہ کہ اپنے استاذوں اور اپنی عمر سے بڑے اہل علم وفضل کے سامنے تنقیح واصلاح ومشورہ کے لیے پیش کرتے رہے بلکہ اپنے ہمعصروں اور عمر میں چھوٹوں سے بھی وہ اس قسم کی مدد لینے میں نہ کبھی شرمائے اور نہ کبھی ان کا علم وفلسفہ و تحقیق اور ان کی عظیم عالمی شہرت اس باب میں حجاب بنی۔

مولانا انور شاہ کشمیری اقبال سے صرف ایک سال بڑے تھے۔ لیکن بعض مسائل میں ڈاکٹر صاحب نے ان سے رجوع کیا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی ڈاکٹر اقبال سے عمر میں چھوٹے تھے لیکن ڈاکٹر صاحب کی عالی ظرفی یہ تھی کہ آپ سید سلیمان ندوی کے علمی و فکری و تحقیقی بلند مقام سے پوری طرح آشنا تھے جب کہ بہت سے "قارون زمانہ" انہیں صرف ایک مورخ سے زیادہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سید صاحب کے متعلق لکھتے ہیں "آپ امت محمدیہ کے خاص افراد میں سے ہیں اور اس مامور من اللہ قوم کے خاص افراد ہی کو امر الٰہی ودیعت کیا گیا ہے"۔

ایک جگہ لکھتے ہیں "علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندوی کے اور کون ہے"۔

ایک جگہ سید صاحب کے ہمہ گیر علم اور وسعت نظر کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں "اگر میری نظر اس قدر وسیع ہوتی جس قدر آپ کی ہے تو مجھے یقین ہے کہ میں اسلام کی کچھ خدمت کرسکتا، فی الحال انشاءاللہ آپ کی مدد سے کچھ نہ کچھ لکھوں گا"۔

اقبال مسلمان تھے لیکن علم وفلسفہ اور تحقیق و جستجو کے بعد وہ یہ اعتراف کرتے ہیں کہ مجھے صحیح معنوں میں سید سلیمان ندوی نے مسلمان بنایا" مولانا عتیق احمد ندوی ان کے اس تاریخی جملے کے گواہ ہیں۔

اسی لیے اقبال اپنے اشعار سید سلیمان ندوی کے پاس ارسال کرتے تھے، اپنی کتاب اور دیوان بھیجتے تھے اور نجی خطوں میں ان سے مشورے مانگتے تھے اور ان کی تحقیقات سے فائدہ اٹھاتے تھے، ۵ جولائی ۱۹۲۲ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

> "پیام مشرق پر جو نوٹ آپ نے معارف میں لکھا ہے اس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔
> پروفیسر نکلسن کا خط آیا ہے انہوں نے اسے بہت پسند کیا ہے مگر میرے لیے آپ کی رائے پروفیسر نکلسن کی رائے سے زیادہ قابل افتخار ہے"

اقبال کی فکری و علمی جستجو کا معیار۔

راقم یہاں اقبال کی علمی و فکری جستجو اور تحقیق و تلاش کے معیار کو واضح کرنے کے لیے فلسفہ و توحید، قرآن وسنت وفقہ، تصوف واحسان واجتہاد فلک وہئیت وغیرہ سے متعلق ان کے سوالات کو نقل کرتا ہے جن کا ذہن میں آنا اور پھر سمجھنے کی ذاتی کوشش، مطالعہ و تحقیق ان کی عظمت علمی کا عظیم الشان مظہر ہے، یہ سوالات سید صباح الدین مرحوم نے تاریخ وار درج کیے ہیں۔

"دریافت طلب امر یہ ہے کہ موکلین و کلاء کے پاس جب مقدمات کی پیشی کے لیے آتے ہیں تو ان میں سے بعض پھل پھول، یا مٹھائی کی صورت میں ہدیہ لے آتے ہیں ہدایا فیس مقررہ کے علاوہ ہوتے ہیں اور وہ لوگ اپنی خوشی سے لاتے ہیں کیا یہ مسلمان کے لیے حلال ہے"

۱۰ نومبر ۱۹۱۹ء

"یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ حمیر اوالی سب احادیث موضوعات میں ہیں، کیا کلیمنی یا حمیرا بھی موضوع ہے"۔

۱۹۲۰ء

کیا حکمائے صوفیہ اسلام میں سے کسی نے زمان ومکان کی حقیقت پر بحث کی ہے۔

۱۵ اکتوبر ۱۹۲۱ء

"دو باتیں دریافت طلب ہیں ۱۔ متکلمین میں سے بعض نے علم مناظرہ ومرایا کی رو سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خدا تعالیٰ کی رویت ممکن ہے یہ بحث کہاں ملے گی، میں اس مضمون کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ ۲۔ مرزا غالب کے اس شعر کا مفہوم آپ کے نزدیک کیا ہے؟

ہر کجا ہنگامہ عالم بود   رحمۃ للعالمینی ہم بود

حال کے ہئیت داں کہتے ہیں کہ بعض سیاروں میں انسان یا انسانوں سے اعلیٰ تر مخلوق کی آبادی ممکن ہے، اگر ایسا ہو تو رحمۃ للعالمین کا ظہور وہاں بھی ضروری ہے، اس صورت میں کم از کم محمدیت کے لیے تناسخ یا بروز لازم آتا ہے شیخ اشراق تناسخ کی ایک شکل کے قائل تھے ان کے اس عقیدہ کی وجہ یہی تو نہ تھی" "امام ایک شخص واحد ہے یا جماعت بھی امام کے قائم مقام ہو سکتی ہے ہر اسلامی ملک کا اپنا ایک امام ہو یا تمام اسلامی دنیا کے لیے ایک واحد امام ہو، موخرالذکر صورت موجودہ فرق اسلامیہ کی موجودگی میں کیونکر بروئے کار آسکتی ہے؟ مہربانی کر کے ان سوالات پر روشنی ڈالیے"۔ ۷ اپریل ۱۹۲۶ء

"اجتہاد کی بناء محض عقل بشری اور تجربہ ومشاہدہ ہے یا یہ بھی وحی میں داخل ہے۔ اس پر آپ کیا دلیل قائم کرتے ہیں، وحی غیر متلو کی تعریف نفسیاتی اعتبار سے کیا ہے؟

کیا وحی متلو اور غیر متلو کے امتیاز کا پتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چلتا ہے یا یہ اصطلاحات بعد میں وضع کی گئیں"؟

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا، کیا یہ مشورہ نبوت کے تحت میں آئے گا یا امامت کے تحت میں؟ ------- امام ابو حنیفہ کے نزدیک طلاق یا خاوند کی موت کے دو سال بعد بھی اگر بچہ پیدا ہو تو قیاس اس بچہ کے ولد الحرام ہونے پر نہیں کیا جاسکتا، اس مسئلہ کی اساس کیا ہے"؟

(۲۴ اپریل ۱۹۲۶ء)

اسلام کے کچھ ارکان ہیں۔ احکام میں فرض، واجب، سنت اور مستحب اور حرام چیزیں ہیں کچھ چیزیں شعار اسلام کہلاتی ہیں ڈاکٹر صاحب اس کے متعلق اس طرح سوال کرتے ہیں۔

مولانا شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے حجتہ اللہ البالغہ کا ایک ٹکڑا جو ترجمہ کیا ہے ------- اس میں شعار تعزیرات --- ------- ہے مہربانی کر کے یہ فرمائیے کہ لفظ شعار سے کیا مراد ہے اور اس کے تحت میں کون کون سے مراسم یا دستور آتے ہیں، اس لفظ کی مفصل تشریح مطلوب ہے، جواب کا سخت انتظار رہے گا۔

(۲۴ ستمبر ۱۹۲۹ء)

ڈاکٹر صاحب نے فلسفہ زمان و مکان پر اپنا علمی رسالہ لکھا ہے۔ اس موضوع سے انہیں بہت دلچسپی ہے متعدد بار انہوں نے سید سلیمان ندوی سے اس سلسلے میں استفسارات کیے ہیں چند ملاحظہ ہوں:

ان میں ایک قول یہ ہے کہ زمان خدا ہے۔ بخاری کی ایک حدیث بھی اسی مضمون کی ہے ---- کیا حکمائے اسلام میں سے کسی نے یہ مذہب اختیار کیا اگر ایسا ہے تو یہ بحث کہاں ملے گی"؟

(۷ مارچ ۱۹۲۸ء)

کیا یہ ممکن ہے کہ آپ زمان کے متعلق امام رازی کے خیالات کا خلاصہ قلم بند فرما کر مجھے ارسال فرمادیں میں اس کا ترجمہ نہیں چاہتا صرف خلاصہ چاہتا ہوں جس کے لکھنے میں غالباً آپ کا بہت سا وقت ضائع ہو گا"۔

(۱۸ مارچ ۱۹۲۸ء)

اگر دہر ممتد اور مستمر ہے اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر مکان کیا چیز ہے؟ جس طرح زمان دہر کا ایک طرح سے عکس ہے اسی طرح مکان بھی دہر ہی کا عکس ہونا چاہیے یا یوں کہیے کہ زمان و مکان دونوں کی حقیقت اصلیہ دہر ہی ہے کیا یہ خیال محی الدین ابن عربی کے نقطہ خیال سے صحیح ہے؟ اس کا جواب شاید فتوحات میں ہی ملے۔ مہربانی کر کے تھوڑی سی تکلیف اور گوارا فرمائیے اور دیکھیے کہ کیا انہوں نے مکان پر بھی بحث کی ہے اور اگر کی ہے تو مکان اور دہر کا تعلق ان کے نزدیک کیا ہے؟ اس زحمت کے لیے معافی چاہتا ہوں اور جواب جہاں تک ہو جلد مانگتا ہوں"۔

جاری ہے۔

واردات ومشاہدات

دارالعلوم حقانیہ کا جلسہ دستار بندی

مولانا عبدالرشید ارشد صاحب

(مذکورہ رپورٹ مولانا عبدالرشید ارشد صاحب مدظلہ نے مرتب کی ہے۔ آپ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ۔ آپ شہرہ آفاق کتب "بیس بڑے مسلمان "، "بیس مردان حق" "دارالعلوم دیوبند نمبر"، "نعت نمبر" وغیرہ کے مرتب اور ماہنامہ الرشید کے مدیر ہیں 5 دسمبر کو آپ دارالعلوم حقانیہ کی پچاسویں سالانہ تقریب دستار بندی کے موقع پر دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے تھے۔ زیر نظر مضمون آپکے مشاہدات پر مشتمل ہے۔ "ادارہ")

احقر بیس مردان حق کی ترتیب وتسوید سے لے کر طباعت وتجلید کے مسلسل عمل سے جسمانی طور پر تھک گیا تھا۔ (گو روحانی طور پر بڑی قلبی مسرت تھی کہ بیس بڑے مسلمان کے بعد بیس مردان حق نامی کتاب دو جلدوں میں منظر عام پر آئی۔) اور خیال کرتا تھا کہ دو تین دن کیلئے لاہور سے باہر جاکر ماحول بدلوں کہ ایک دن اکوڑہ خٹک سے تقریب ختم بخاری شریف دستار بندی اور اکوڑہ خٹک میں قائم دارالعلوم حقانیہ کے قیام کا پچاس سالہ تقریب کا دعوت نامہ ملا۔ یہ دعوت نامہ ماہنامہ "الحق" کے مدیر انتظامی حافظ راشد سمیع کی جانب سے تھا کہ جن کی اپنی دستار بندی بھی ہورہی تھی۔ میں نے اسے قدرت سے اپنے خیال وارادہ کی تکمیل کا سبب جانا اور خط لکھ دیا کہ انشاء اللہ حاضر ہونگا۔ میں نے جانا کہ تین سال قبل حضرت مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ کے صاحبزادے کے ولیمہ میں گیا تھا اور بطور ہدیہ "الرشید" کا "نعت" نمبر دیا تھا۔ انہوں نے یاد رکھا۔ واپسی جواب آیا کہ تقریب پانچ دسمبر کو ہے۔ لیکن چار دسمبر کو آنا مناسب ہوگا۔ طویل سفر تھا کسی ہم سفر کی ضرورت تھی بیٹا سجاد ارشد دو دن قبل راولپنڈی سے آیا تھا لہذا بیس مردان حق کے جلد ساز عزیزم محمد الیاس کو ساتھ لیا اور 11-00 بجے شب کو راولپنڈی جانیوالی نائٹ کوچ ریل کار پر سوار ہوگئے کہ طویل سفر میں ریل میں سہولت رہتی ہے۔ ہم جونہی ڈبے میں داخل ہوئے۔ ریل حرکت میں آگئی۔

کائنات کی ہر چیز حرکت میں ہے ہم اپنی اصطلاح میں جن چیزوں کو جمادات کہتے ہیں وہ بھی حرکت میں ہیں کہ زمین اپنے محور پر گردش کررہی ہے۔ سورج چاند سب حرکت میں ہیں۔

کل فی فلک یسبحون (سورۃ یس) ہر کوئی اپنے چکر میں پیرتے ہیں۔

ہر شے مسافر ہر چنیر راہی کیا چاند تارے کیا مرغ وماہی

ہم گاڑی میں سکون سے بیٹھ گئے تھے لیکن گاڑی چل رہی تھی اور ہم اپنے شہر سے دور اور اگلی منزل یا پڑاؤ سے نزدیک ہورہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حرکت میں برکت ہے۔ میں اپنے محلے سے رکشہ پکڑ کر سٹیشن پہنچا ٹکٹ لیا تب گاڑی میں بیٹھنے کی نوبت آئی اب یہ گاڑی خراٹے بھرتی ہوئی ہمیں راولپنڈی لے جائے گی۔ اور وہاں سے نیا سفر ہوگا۔ اکوڑہ پہنچ کر دو دن رک کر واپسی ہوگی اور یوں زندگی کا سفر جاری رہے

گا۔ تاینکہ موت آکر نیا سفر شروع ہوگا جو اصل منزل پر پہنچائے گا۔ اگر کوئی سوچنا شروع کرے کہ اکوڑہ خٹک یہاں سے لاکھوں گز دور ہے کیسے پہنچا جائیگا تو وہ کبھی وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ منزل پر پہنچنے کیلئے قدم

اٹھانا پڑتا ہے آپ ایک قدم اٹھالیں پھر اگلے قدم خود بخود اٹھتے رہیں گے۔ ایک بچہ پہلی جماعت میں داخل ہوتا ہے تو اسے الف نہیں آتا وہ اپنے والد سے پوچھتا ہے کہ اباجی! آپ ایک قلم ہاتھ میں پکڑتے ہیں اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں ایک مضمون لکھ لیتے ہیں جو اگلے دن کسی اخبار میں شائع ہوجاتا ہے لیکن مجھے الف لکھنا نہیں آرہا۔ والد کہتا ہے کہ بیٹا! میں نے اپنی عمر عزیز کے آٹھ سال یا سولہ مسلسل محنت وریاضت کی ہے۔ تب جا کر اس قابل ہوا ہوں کہ مضمون لکھ سکوں۔ تم پہلے ہی دن کہ رہے ہو کہ میں اس منزل کو پالوں اگر محنت کروگے، تو تم بھی ایک دن اس قابل ہوجاؤ گے۔ آج ہم دارالعلوم حقانیہ جارہے تھے۔ جہاں طلباء نے گھر بار چھوڑ کر آٹھ دس سال محنت کی تھی اور آج وہ دن آیا کہ ملک بھر سے چیدہ علماء و فضلاء وہاں تشریف لا کر ان کی دستاربندی کرنیوالے تھے۔ ایک، دو، چار، دس، بیس نہیں سینکڑوں۔ اور یہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ کا قائم کیا ہوا ایک دینی مدرسہ تھا جو ابتداء میں محدود مختصر تھا مگر آج پاکستان کے دینی مدارس میں سرفہرست ہے اور اس کے فارغ التحصیل علماء دنیا کے ہر کونے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ حضرت شیخ الحدیث کے علم کی برکت تھی کہ انہوں نے اسکو ایسے اساتذہ سے حاصل کا کہ جنہوں نے ان میں تبلیغ دین اور نشر واشاعت کتاب وسنت کی گرمی پیدا کردی اور آج اسکا نتیجہ پوری دنیا دیکھ رہی ہے۔

ساڑھے چار بجے سحر سے قبل راولپنڈی گاڑی سے اترے تو فیض آباد کی ویگن تیار تھی۔ اس پر بیٹھ گئے۔ فیض آباد پہنچے تو ابھی فجر کی اذانیں نہیں ہوئی تھیں۔ ادھر ادھر ذرا گھومے اور ایک مسجد کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ انسان کی مختلف حالتیں ہیں ہم رات بھر جاگتے رہے تھے اور اس مسجد کے موذن وامام عشاء کے بعد سوگئے تھے۔ چند مسافر اکٹھے ہوگئے۔ ہم نے تقریباً یخ بستہ پانی سے وضو کیا اور اپنی جماعت کرائی کہ اڈوں کی مساجد میں اس کا جواز ہے باہر نکل کر جانے کی جگہ تلاش کی جسم میں کچھ حرارت پہنچی۔ گاڑی کی ساڑھے چار گھنٹے کی حرارت بھی ابھی باقی تھی۔ چائے پی کر نکلے تو ایک کوچ آگئی جو پشاور جارہی تھی۔ اس میں بیٹھ گئے اور تقریباً آٹھ سوا آٹھ بجے اکوڑہ خٹک اترے۔ دارالعلوم پہنچ کر دارالاہتمام کا رخ کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ناشتہ آگیا اور ناشتہ کرنے کے بعد آرام کرنے نکلے ایک کمرہ ملا وہاں جا کر ظہر کی نماز تک آرام کیا یا آرام کرنے کی کوشش کی کہ مجھے سکون کی جگہ نیند آتی ہے۔ اس کمرے میں گوجرانوالہ کے مولانا جامی صاحب سورہے تھے جو 1980ء میں دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریب میں سفر میں ساتھ تھے۔ ان کے ایک ساتھی بار بار آتے تھے اور کہتے تھے، کہ اٹھو کب تک سوؤ گے۔

ظہر کے بعد داعی اور میزبان سے پھر ملے جیسا کہ گذرا تین سال قبل میں احقر مولانا حامد الحق سمیع کے ولیمے کی تقریب میں شریک ہوا تھا۔ میں نے ان کو ہدیے میں نعت نمبر دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اب میزبان اور داعی وہی ہیں لیکن اب ان کے چھوٹے بھائی داعی تھے۔ میں سنیں اور نام بھول جاتا ہوں۔ تکرار کے بعد نام تو یاد ہوجاتے ہیں لیکن میں ڈائری میں لکھ لوں تو اسے دیکھ کر لکھتا ہوں۔ بہر حال عزیزم حافظ راشد الحق سمیع سے ملاقات ہوئی تو پتہ لگا کہ حافظ حامد الحق ان کے بڑے بھائی ہیں۔ وہ ولیمہ ان کا تھا۔ ان کی باری بقول ان کی باری بقول ان کے شاید چند سال بعد آئے کہ ان کے تعلیم، عزائم بلند ہیں ان کی تکمیل کے بعد یہ

مرحلہ آئیگا۔

احقر جب عزیز القدر حافظ حامد الحق کے ولیمے میں حاضر ہوا تھا تو بڑی تیزی کے ساتھ نئی عمارات خصوصاً دارالحدیث کی تعمیر ہورہی تھی۔ اور ولیمہ کا اہتمام زیر تعمیر دارالحدیث کی نچلی منزل میں تھا۔ اب یہ دارالحدیث سہ منزلہ عمارت کی صورت میں مکمل ہوچکا ہے۔ گو کچھ متعلقات باقی ہیں اور اس میں دورہ حدیث کی تعلیم ہورہی ہے۔ میرے علم کا مطابق پاکستان میں اتنا بڑا دارالحدیث کسی جگہ نہیں ہے۔ دارالعلوم دیوبند کا دارالحدیث ۶۸-۲۵ فٹ ہے۔ اور اس کے اوپر دار التفسیر ہے۔ دار التفسیر کے اوپر بہت خوبصورت گنبد ہے۔ اور یوں اپنے وقار و شکوہ میں دارالعلوم دیوبند کا دارالحدیث شاید پوری دنیامیں اپنی نظیر آپ ہے۔ لیکن رقبے میں دارالعلوم حقانیہ کا دارالحدیث وسیع ہے۔ دارالعلوم حقانیہ کی درسگاہوں اقامت گاہوں کی جب تکمیل ہو گئی تو پورے پاکستان میں اپنی مثال آپ ہوگا۔ کام بڑی تیزی سے ہورہا ہے۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم مولانا سمیع الحق کے شبانہ روز جدوجہد، حسن تدبیر اور مساعیء جمیلہ کا مرہون منت ہے۔ ۴۔ کی شام تک دور دراز سے مہمانان گرامی آتے رہے۔ اور یہ سلسلہ ساری رات چلتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو بقول سعدی۔

علی الصباح کہ مردم بکار و بار روند

قافلوں کے قافلے آرہے تھے۔ دارالعلوم شہر کے شمال مغربی جانب ہے۔ شہر پنڈی کی طرف رہ جاتا ہے۔ ۴۔ کو ہم شہر کی جانب گئے تو دیکھا سڑک کے دونوں جانب بازار لگا ہوا ہے۔ ایسے جیسے لاہور میں قدموں کا میلہ لگتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ ایسا روزانہ ہوتا ہے؟ تو رفیق نے بتایا نہیں یہ ہر بدھ کو لگتا ہے۔ لیکن اگلے دن ۵۔ دسمبر جمعرات کو یہ بازار دارالعلوم کے ساتھ لگ گیا تھا۔ بہت سے لوگ نوٹوں کے ہاروں کی دکانیں لگائے بیٹھے تھے۔ اور لوگ دھڑا دھڑ خرید کر لارہے تھے۔ اور جو لوگ شہروں سے آئے تھے ان میں سے کئی ایک ہار اپنے ساتھ لائے تھے۔ جیسے جیسے سورج بلند ہورہا تھا، آنیوالے مہمانوں کی تعداد میں اضافہ ہورہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ دارالعلوم اپنی وسعت کے باوجود "وضاقت علیھم الارض" کا حشر تو پیش نہیں کریگا، گو یہ آیت کسی اور طرح کے واقعہ کی ہے۔ لیکن اب یہ محاورہ کے طور پر استعمال ہونے لگی ہے ------- ۴۔ کی شام کو سینکڑوں کرسیاں لاکر محفوظ کی گئی تھیں، اور میری حیرت میں اضافہ ہورہا تھا۔ مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے گھر کے آگے ایک لان ہے۔ نو دس بجے وہ کرسیاں وہاں رکھ دی گئیں۔ جوں جوں مہمان آتے جاتے تھے، وہاں بیٹھتے جاتے میرے لئے یہ منظر بالکل نیا تھا۔ کہ دستار بندی یا ختم بخاری شریف کا اہتمام کئی جگہ دیکھا ہے۔ لیکن ایسا اجتماع کہیں اور کبھی نہیں دیکھا دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریب اس سے مستثنیٰ ہے۔ کہ وہاں تو لاکھوں افراد کا اجتماع تھا۔ اور بقول ہمارے ایک دوست شیخ محمد اقبال حفظہ اللہ کہ وہ حج سے بڑا اجتماع تھا۔ میں نے تردید بھی کی لیکن وہ اپنی بات پر مصر رہے۔ لیکن اتنا تو تھا کہ پنڈال دس لاکھ سے زیادہ افراد کیلئے بنایا گیا تھا۔ لیکن جمعہ کے دن جمعہ کی نماز اور بعد میں پنڈال گم ہو کر رہ گیا تھا یہاں افغانستان سے طالبان کی حکومت کی کابینہ کے اکثر وزراء اور مرکزی رہنما تشریف لائے۔ داعی چونکہ

بانیء دارالعلوم قائد شریعت حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ کے پوتے اور مہتمم صاحب کے صاحبزادہ حافظ راشد الحق تھے، وہ انتظام میں بھی مصروف تھے لیکن بارات کے دولہا بھی وہی تھے۔اس لان میں آ کر بیٹھ گئے اور انتظامات بڑے بھائی اور دوسرے کرنے لگے۔اور راشد میاں کے گلے میں نوٹوں کے ہار پڑنے لگے۔ احقر نے بھی مبارکباد دی۔انعام میں "بیس مردان حق" ڈاک میں بھیج چکا تھا۔ظہر سے پہلے تمام مہمانوں کو کھانا کھلادیا گیا اور ظہر کی اذان ہو گئی۔میں جب سے لاہور آیا ہوں۔ہر بڑا جلسہ اور جلوس دیکھتا ہوں۔اور اپنے مسلک ومشرب کے جلسوں میں پنڈال کے آخر کسی کونے میں بیٹھتا ہوں۔(اب تو ایسے جلسے ویسے ہی ختم ہوگئے ہیں)۔جناح ہال کے کسی جلسے میں کہ ہال چھوٹا ہے۔کسی نے دیکھ کر بااصرار بلایا تو شاید دو ایک بار آگے گیا ہوں۔لیکن اکوڑہ خٹک میں ایک وجہ تھی کہ میں نے اپنے داعی کو رسمی طور پر "بیس مردان حق" کا سیٹ پیش کرنا تھا، سٹیج کے متصل نماز پڑھی اور جیسا کہ تحریر کیا۔کہ میرے ذہن میں یہ تھا کہ جمعہ ہے اور جمعہ کی نیت کی وہ تو اچھا ہوا کہ کوئی ایسی غلطی ہوگئی کہ آواز آئی کہ سلام پھیر دو۔اور کھڑے کھڑے سلام پھیر دیا میں نے اپنے ساتھ کھڑے محب محترم مولانا عبداللطیف شاہ کوٹی سے پوچھا کہ نماز سے پہلے خطبہ کیوں نہیں پڑھا گیا تو انہوں نے میری غلط فہمی دور کی کہ آج جمعہ نہیں۔جمعرات ہے۔اور یہ ظہر کی نماز ہے۔ دوبارہ نیت باندھی گئی اور اب میں نے چار رکعت ظہر کی نیت کی اور سلام کے بعد ہم دونوں سٹیج پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔

جلسۂ دستار بندی کا آغاز تلاوت قرآن کریم اور نعت شریف سے ہوا،باقی ساری کارروائی نظمیں تقریریں پشتو میں ہوئیں۔حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی تقریر دربارہء آخری حدیث بخاری شریف کا کچھ حصہ اردو میں تھا

میں جہاں بیٹھا تھا وہیں میرے ساتھ محترم جناب مولانا محمد نبی محمدی صاحب تھے جو افغانستان کے حرکت انقلاب اسلامی کے رہنما ہیں، نے تقریر کی۔اور تحریک طالبان کے مرکزی رہنما مولانا احسان اللہ نے بھی۔"زبان یار من ترکی ومن ترکی نمے دانم" والا معاملہ تھا۔البتہ دونوں تقریروں کے لب ولہجہ اور انداز سے معلوم ہورہا تھا کہ علم اور جہاد کے موضوع پر ہیں ------- سٹیج سیکرٹری مخدوم زادہ محترم مولانا انوار الحق صاحب تھے۔انہوں نے ایک موقع پر "بیس مردان حق" کا تعارف کرایا بیس مردان حق کے ساتھ "بیس بڑے مسلمان کا ذکر بھی ضروری تھا۔میں پہلے دیکھ چکا تھا کہ "طالبان" کی حکومت کے عہدیداران کا جب تعارف کرایا جاتا تھا تو وہ کھڑے ہوجاتے تھے۔بلکہ ان کو کہا جاتا تھا کہ کھڑے ہوں سو اس ہیچ مدان کو بھی چارو ناچار کھڑا ہونا پڑا۔جبکہ سٹیج پر چھڑنا اور پھر کھڑے ہونا میرے مزاج کے خلاف تھا۔

سٹیج ایسی جگہ بنایا گیا تھا کہ جہاں سے چاروں طرف نگاہ پڑتی تھی۔مسجد کا پورا صحن بھرا ہوا تھا سامنے خاص جگہ تھی وہ بھی پر تھی اس کے آگے مشرق میں دارالعلوم کی درسگاہوں اور اقامت گاہوں کی سہ منزلہ اور چار منزلہ عمارات تھیں۔ان کے برآمدے، کمرے، چھتیں سب لوگوں سے اٹی ہوئی تھیں۔یہ بانی مہتمم اول حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ کے اخلاص کا ثمرہ اور نتیجہ تھا کہ جلسہ دستار بندی میں ہزارہا ہزار

افراد اٹھ آئے تھے۔اور اس سوال پر کہ آیا ہر سال ایسا ہی ہوتا ہے۔ تو بتایا گیا کہ اس سال نجانے کیوں قدرے کم ہے۔ ورنہ یہ اجتماع اس سے بڑا ہوتا ہے۔میں نے دارالعلوم دیوبند اور تبلیغی جماعت کے اجتماع کے بارے میں لکھا ہے کہ

"بڑ کے بیج کو دیکھو، خشخاش کے دانے کے برابر ہوتا ہے۔لیکن جب اسے زمین میں بو کر آبیاری کی جاتی ہے، تو اتنا تناور اور گھنا درخت بن جاتا ہے کہ سینکڑوں افراد بیک وقت اس کی ٹھنڈی چھاؤں کے نیچے گرمیوں میں آرام کرتے ہیں۔ آج دارالعلوم دیوبند (یہاں دارالعلوم حقانیہ) اور اسکی خدمات کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے ۔ کہ اس کے بانی حضرات اپنے وقت کے کس قدر مخلص لوگ تھے۔قرآن پاک میں کلمہ طیبہ کی مثال ایسے پاکیزہ درخت سے دی گئی ہے کہ جس کی جڑیں مضبوط اور شاخیں آسمان کو چھوتی ہیں۔" حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ کو جن لوگوں نے دیکھا،ان سے بڑھایا ان کو گھر آتے جاتے دیکھا ہے۔وہی جانتے ہیں۔ کہ ان کی شخصیت کیسی بے مثال اور لاجواب تھی۔میاں ثناء اللہ بودلہ مرحوم ایم این اے تھے۔انہوں نے دو تین دفعہ مجھ سے بیان کیا کہ میں تھانہ بھون جایا کرتا تو وہاں ایک سرخ وسفید نوجوان کو دیکھا،جسکی آنکھوں سے حیا اور چہرے سے معصومیت ٹپکتی۔ہمیشہ آنکھیں جھکا کر چلتے،ادھر ادھر کبھی نہ دیکھتے،نظر بر قدم ہوتی۔ اب جب ایم این اے ہاسٹل اور قومی اسمبلی میں حضرت مولانا عبدالحق کو دیکھتا ہوں تو مجھے ایسے لگتا ہے کہ یہ وہی نوجوان ہے جسکی کمر اب سر کی طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک چکی ہے۔اور میاں صاحب مرحوم نے ہی مجھے بتایا کہ حضرت مولانا اپنے جس علاقہ سے کھڑے ہوئے تو ان کے مقابلہ میں نصر اللہ خان خٹک اور اجمل خان خٹک جیسے لیڈر تھے۔جو پیپلز پارٹی اور اے این پی کے مرکزی راہنما تھے۔جو بری طرح ہارے۔ان سے جب شکست کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے (انکے الفاظ میں) کہا کہ مجھے تو پیغمبر کے مقابلہ کھڑا کر دیا گیا۔ واقعہ یہ ہے، رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن کے احیا واتباع کی وجہ سے حضرت مولانا رحمہ اللہ کی جو قدر لوگوں کے دلوں میں تھی، یہ اس کا نتیجہ تھا، جس کو خٹک صاحب نے اپنی پشیمانی دور کرنے کیلئے کہا۔اور یہ بات میں نے بعد میں اور لوگوں اور اکوڑہ خٹک میں مختلف لوگوں سے سنی۔میں ایک وقت دارالعلوم سے باہر نکلا تا کہ جوتا پالش کراؤں تھوڑی دور جا کر ایک صاحب بیٹھے تھے۔میں نے ان کے پاس جوتا اتارا اور چپل پہن کر ساتھ والی ایک بڑی دوکان پر جا کر ایک پیر مرد کے پاس چارپائی پر بیٹھ گیا۔ان سے علیک سلیک ہوئی اور تعارف ہوا۔انہوں نے میرا نام پوچھا۔میں نے بتایا۔ تو انہوں نے کہا کہ اس نام کے شخص نے "بیس بڑے مسلمان" لکھی ہے۔میں نے عرض کیا کہ آپ مجھے وہی شخص سمجھ لیں اس کے بعد حضرت مولانا کی باتیں ہونے لگیں۔ تو وہ حضرت مولانا کے محاسن بیان کرنے لگے۔حضرت مولانا شہر میں ایک کچے مکان میں رہتے تھے۔اور ساری عمر اسی میں گزار دی۔وہ پیر مرد شیخ محمد اکرم صدیقی کہنے لگے، کہ حضرت مولانا جب گھر کو آتے جاتے تو راستے میں چھوٹے چھوٹے لڑکے ان سے مصافحہ کرتے اور ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہو جاتے، اور بچے جب تک حضرت مولانا کا ہاتھ نہ چھوڑتے حضرت مولانا اپنا ہاتھ نہ چھڑاتے۔لوگ مذاق کرتے کہ دیکھو یہ کیسا آدمی ہے کہ بچوں کے پاس کھڑا ہو جاتا ہے۔اسپر میں نے عرض کیا کہ صدیقی صاحب حضرت

مولانا متبع سنت تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی حال تھا، کہ بازار گلی میں کوئی بچہ آپ سے گفتگو کرنے لگتا تو آپ اس سے تکلم فرماتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ وہ بچہ خود بات ختم نہ کرتا ۔حضرت مولانا رحمہ اللہ کے شہر میں ایک پیر مرد سے یہ بات سن کر میں نے محسوس کیا کہ علاقہ کے سارے لوگ حضرت مولانا کی آپس میں اتباع سنت مصطفوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام اور دیگر خوبیوں کی بنا پر انہیں عزیز رکھتے تھے۔شیخ سعدی رحمہ اللہ نے بوستان میں ایک حکایت لکھی ہے۔ کہ میں نے ایک شخص کو شیر پر سوار دیکھا تو میں نے دانتوں میں انگلی دبالی۔اور میری جان جانے لگی اس پر اس شخص نے مجھے کہا کہ۔۔

تو از حکم داور گردن مپیچ
کہ گردن نہ پیچد تو حکم ہیچ

پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔من کان للہ کان اللہ لہ۔جو شخص اللہ کا ہو جاتا ہے۔اللہ اس کا ہو جاتا ہے ۔شیخ سعدی رحمہ اللہ کی حکایت کا یہی مفہوم ہے۔انہی صدیقی صاحب نے امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کا چشم دید واقعہ سنایا کہ حضرت شاہ صاحب ایک دفعہ دارالعلوم کے جلسہء دستار بندی کیلئے تشریف لائے۔انہیں جناب اجمل خٹک کے مکان کے قریب ایک کچے مکان میں ٹھہرایا گیا اور میں نے کھانے کیلئے شاہ صاحب کے ہاتھ دھلائے۔جب شاہ صاحب کھانا کھانے لگے تو ایک شخص اور آیا شاہ صاحب نے فرمایا۔۔۔ آؤ بھائی کھانا کھاؤ۔اس پر گھر والے نے کہا کہ حضرت یہ تو چوہڑا ہے۔تو اس پر صدیقی صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ تم چوہڑے کا مطلب سمجھتے ہو۔تو میں نے کہا کہ ہاں ہمارے علاقہ میں بھی یہی کہتے ہیں، میزبان کے یہ کہنے پر حضرت شاہ صاحب نے فرمایا چوہڑا ہے تو پھر کیا ہے۔انسان تو ہے۔اس کے ہاتھ دھلوائے۔اور اس کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا۔صدیقی صاحب کہتے ہیں کہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد وہ شخص آیا۔اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔اتنے میں صدیقی صاحب کے بھتیجے آگئے۔جو چالیس کے پیٹے میں ہونگے۔شیخ صاحب نے ان سے میرا تعارف کرایا، یہ ایک کنال زمین کا احاطہ تھا۔جہاں پرانا لوہا خریدا جاتا تھا۔اور اسے کوٹ توڑ کر پھر آگے بھیج دیا جاتا ہے۔جو جی ٹی روڈ پھاٹک کے سامنے یہ دوکان تھی۔صدیقی نے مجھے چائے بھی پلائی اور پالش والے کو پالش کی قیمت بھی ادا کی میں سوچتا رہا کہ یہ کیسا اتفاق ہوا۔ کہ پیر مرد نے میرے نام سے "بیس بڑے مسلمان" کا ذکر کیا اور ہماری یہ گفتگو ہوئی۔اور حضرت شاہ صاحب سے ایک واقعہ کا علم ہوا۔ایسے واقعات کئی دفعہ رونما ہوئے۔ایک کا گواہ میں بھی ہوں۔دکان کے مالک کا نام تصدق حسین صدیقی تھا۔

اکوڑہ خٹک میں یہ دارالعلوم ہمیں دارالعلوم دیوبند کی یاد دلاتا ہے۔ کہ جس طرح دارالعلوم دیوبند کی ابتداء بالکل معمولی انداز میں ہوئی لیکن اکابر کے خلوص، عمل اور ایثار نے اسے پرائیویٹ سیکٹر کا سب سے بڑا دارالعلوم بنادیا اس طرح حقانیہ کی ابتدا بھی شہر میں ایک چھوٹی مسجد میں ہوئی لیکن دیوبند اور اکوڑہ خٹک میں یہ مماثلت بھی عجیب ہے کہ دیوبند کے پاس امیر المومنین سید احمد شہید رحمہ اللہ کا پڑاؤ ہوا اور امیر المومنین حضرت سید احمد شہید نے فرمایا کہ مجھے یہاں سے علم کی خوشبو آتی ہے۔حضرت سید احمد شہید اور ان

کے مجاہدین کی سب سے پہلی لڑائی صوبہ سرحد میں اکوڑہ خٹک کے پاس ہوئی۔ مجاہدین نے دریائے کابل عبور کرکے دشمن پر شب خون مارا۔اور وسطی میدانوں سے ہزاروں میل دور دراز سے راجپوتانہ اور سندھ کے ریگستانوں سے ہوکر ان بزرگوں نے اس علاقہ میں سب سے پہلا معرکہ کارزار گرم کیا۔اور شاہ اسماعیل شہید نے فرمایا کہ مجھے اس علاقہ سے علم کی خوشبو آتی ہے۔اور دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ اور مدرس حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ نے اکوڑہ خٹک میں قیام پاکستان کے بعد یہاں اس طرح کے دارالعلوم کی داغ بیل ڈالی اور الحمدللہ آج یہ کارالعلوم، دارالعلوم دیوبند کی یاد دلا رہا ہے۔قیام پاکستان کے بعد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی یہاں تشریف لائے اور یہی فرمایا کہ یہ پاکستان کا دارالعلوم دیوبند ہے۔شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہااللہ بھی قیام پاکستان سے قبل یہاں تشریف لائے جبکہ یہاں تعلیم القرآن کے نام سے پرائمری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا انتظام کیا گیا تھا۔حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کا چونکہ حضرت مدنی قدس سرہ سے تلمذ کا خصوصی تعلق تھالہذا حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی یہاں تشریف لائے۔بالاکوٹ کے شہیدوں کا لہو رنگ لایا اور آج اس کے ثمرات وبرکات دیکھے جاسکتے ہیں

جمعرات پانچ کو تقریب دستار بندی تھی اور چھ دسمبر بعد از جمعہ مملکت پاکستان کے نگران وزیر اعظم جناب ملک معراج خالد صاحب حضرت مولانا سمیع الحق کو ملنے اور دارالعلوم کو دیکھنے کیلئے تشریف لائے۔ابتدائی چند سالوں کے دور کو چھوڑ کر اگر دیکھا جائے تو ملک کا وہ کون سا سربراہ اور اہم سیاسی راہنما ہے جس نے اکوڑہ خٹک حاضری نہیں دی۔دارالعلوم اکوڑہ خٹک کیلئے یہ کوئی اعزاز نہیں بلکہ یہاں آنے والوں

کیلئے یہ اعزاز ہے، کہ وہ یہاں حاضر ہوکر علم کو خراج عقیدت ادا کرتے ہیں۔مولانا سمیع الحق کی قومی سیاست میں بھرپور حصہ لینے کے بعد ان سے ملنے کے سلسلہ میں زعماء، حکام اور ملکی سطح کے لیڈروں کی آمدورفت میں بے حد اضافہ ہوچکا ہے۔

میں اس تقریب کی دعوت ملنے پر کچھ حیران بھی تھا کہ داعی نے آخر میرا انتخاب کیوں کیا پھر خیال آیا کہ چونکہ ولیمے پر حاضر ہوا تھا اس نسبت سے اب بھی یاد رکھا گیا۔لیکن "الحق" کے مدیر منتظم حافظ راشد الحق سمیع سلمہ اللہ سے ان کی مصروفیت کے باوجود چند نشستوں میں یہ عقدہ حل ہوا کہ وہ بھی میری طرح قتیل ابوالکلام ہیں آپکے والد محترم مولانا سمیع الحق صاحب ہی کی فرمائش اور ہمت افزائی کی بدولت میں الھلال شائع کرسکا تھا اور انہوں نے مجھے بتایا کہ بھائی جان کے ولیمے پر مجھے علم تھا کہ تجھے بھی دعوت ہے۔ لیکن ہماری ملاقات نہ ہوسکی کہ اس وقت صدر مملکت لغاری صاحب سابق صدر غلام اسحق صاحب اور ایسے ہی پچاسوں زعماء مدعو تھے۔سیکورٹی سخت تھی جمعہ کا دن تھا، میں علی الصباح حاضر ہوا اور جمعہ پڑھ کر واپس آگیا۔موصوف نے پوچھا کہ ارشد نہیں آیا تو کسی نے مجھے بتایا کہ فلاں وقت فلاں جگہ جو بیٹھا تھا وہی تو ارشد تھا۔مجھے افسوس ہوا کہ ملاقات نہ ہوسکی پھر ایک دو دفعہ لاہور جانا ہوا، پتہ کیا ملاقات نہ ہوئی۔بہر حال اب ملاقات ہوئی اور گہما گہمی کے باوجود تین چار نشستیں ہوئیں۔اور تبادلہ خیال ہوا۔ایک دن حضرت مولانا کے مرقد پر حاضری ہوئی، فاتحہ پڑھی، حضرت مولانا، ان کی اہلیہ مرحومہ اور بعض یکے از بانیان کی کل چار پانچ قبریں ہیں۔دعائے مغفرت کے بعد واپس ہوئے تو اچانک سے میرے ذہن میں آیا، کہ میں نے ایک جگہ پڑھا کہ کسی مرید سے شیخ کی آخری

حالت دیکھی نہ گئی اور رونے لگے۔ شیخ نے پوچھا کہ کیوں روتے ہو۔ تو اس نے بتایا کہ آپ کی جدائی کے غم سے۔ شیخ نے فرمایا کہ شیخ جب زندہ ہوتا ہے، تو تلوار میان میں ہوتی ہے۔ اس کے مرنے کے بعد یہ میان سے باہر نکل آتی ہے۔۔۔ میں اس کو پڑھکر حیران تھا کہ یہ کیسا جواب ہے لیکن حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ کی قبر کے پاس سے ہو کر جب ہٹا تو اس شیخ کی بات یاد آئی کہ حضرت مولانا قبر میں محو استراحت ہیں لیکن ان کے پروردہ اور فیض یافتہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور تلوار بھی میان سے نکلی ہوئی ہے۔ باقی عنداللہ اور عندالناس مقبولیت کا اصل راز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ من کان للہ کان اللہ لہ۔

میں جب اکوڑہ سے واپس آنے لگا، تو راشد میاں نے مجھے احباب سے ایک طرف کرلیا اور ایک ہزار روپیہ دیا میں نے ہر چند انکار کیا لیکن عزیز کے خلوص و محبت اور جو لفظ انہوں نے اس وقت کہے۔ اس کی بناء پر مجھے تبرک سمجھ کر یہ ہدیہ لینا پڑا اور میں راستہ بھر سوچتا رہا کہ

یہ ابوالکلام آزاد کے ساتھ عقیدت کا کرشمہ ہے، یہ "بیس مردان حق" ترتیب دینے کا انعام ہے۔ یہ انکے بظاہر عمر میں چھوٹے ہونے کی وجہ سے اکرام ہے۔ یہ ان ہاروں میں سے حصہ ہے جو میرے سامنے پڑتے رہے۔۔۔۔ اور یا پھر۔۔۔۔۔۔۔۔ اپنے عظیم دادا کی سخاوت و داد و دہش کا اثر ہے۔

دستار بندی کے جلسہ میں ہزاراں ہزار کا اجتماع، حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ و دارالعلوم حقانیہ کی عنداللہ اور عندالناس مقبولیت دیکھ کر مولانا ابوالکلام آزاد کے "تذکرہ" کی عبارت یاد آئی کہ۔

"نظام شمسی کی طرح نظام انسانی کے بھی مرکز و محور ہیں مگر تم کو ان کا حال بھی نہیں معلوم، تم کو اجرام سماویہ کا مرکز معلوم کرنے میں جب ہزاروں برس لگ گئے تو نہیں معلوم عالم انسانیت کے نظام و مراکز کے کشف کیلئے کتنا زمانہ درکار ہوگا؟ تاہم اتنا معلوم رہے کہ ہر دور میں خدا کے چند بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا وجود ستاروں کے مرکز شمسی کی طرح تمام انسانوں کا مرکز محبت اور کعبۂ انجذاب ہوتا ہے۔ اور جس طرح نظام شمسی کا ہر متحرک ستارہ صرف اس لئے ہے کہ کعبۂ شمی کا طواف کرے اس طرح انسانوں کے گروہ اور آبادیوں کے ہجوم بھی صرف اس لئے ہوتے ہیں کہ اس مرکز انسانیت اور کعبۂ ہدایت کا طواف کریں زمین والوں ہی پر موقوف نہیں آسمانوں میں بھی صرف انہی کے ناموں کی پکار ہوتی ہے۔۔

تذکرہ ص ۶۶)

منشی پریم چند

اسلامی تہذیب

درجہ ذیل مضمون جو اصل میں ۱۹۲۵ء میں لکھا گیا تھا افکار ملی (انڈیا)
کے شکریہ کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔ مضمون قابل دید ہے۔

ہندو اور مسلمان دونوں ایک ہزار برس سے ہندوستان میں رہتے ہیں۔ لیکن ابھی تک ایک دوسرے کو سمجھ نہیں سکے۔ ہندو کیلئے مسلمان ایک رہسیہ ہے، مسلمان کیلئے ہندو ایک معمہ، نہ ہندو کو اتنی فرصت ہے کہ اسلام کے نکات کی چھان بین کرے نہ مسلمان کے پاس اتنا وقت کہ ہندو مذہب کے سمندر میں غوطہ لگائے دونوں ایک دوسرے کے بارے میں بے بنیاد باتوں کا تصور کرکے سر پھوڑنے پر آمادہ رہتے ہیں۔ ہندو سمجھتا ہے کہ دنیا بھر کی برائیاں مسلمانوں میں بھری ہوئی ہیں، نہ ان میں رحم تھا نہ دین، نہ بھائی چارہ، نہ صبر۔ مسلمان سمجھتا ہے کہ ہندو پتھروں کو پوجنے والا، گردن میں دھاگا لٹکانے والا، ماتھا رنگنے والا اور دال بھات کھانے والا جانور ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے سائے سے پرہیز کرتے ہیں۔ ان دونوں گٹوں میں جو بڑے بڑے علماء میں وہ اس تفریق میں سب سے آگے ہیں جیسے رنجش اور مخالفت ہی مذہب کا اولین مقصد ہو۔ ہم وقت ہندو مسلم بھائی چارے پر کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ مولانا شوکت علی کے ساتھ ہمارا بھی یہ عقیدہ ہے کہ یہ حالات ہنگامی ہیں، وہ وقت دور نہیں ہے جب ہندو اور مسلمان دونوں اپنی غلطی پر پچھتائیں گے۔ اور اگر انسانیت اور شرافت سے متأثر ہو کر نہیں تو اپنی حفاظت کیلئے متحد ہونا ضروری سمجھیں گے۔ ہم اس وقت صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہندؤوں کے مسلمانوں کی تہذیب کے متعلق جو خیالات ہیں وہ کہاں تک درست ہیں۔

پرانے زمانے میں کسی طبقے کے مذہبی عقائد اور فلاحی کام ہی اسکی تہذیب کے ضامن ہوتے ہوتے تھے اور خدمت اور قربانی تہذیب کا اہم جزو ہوا کرتے تھے چین، جاپان، ہندوستان، مصر کسی ملک کی قدیم تہذیب کو لیجئے آپ اسے مذہبی عقائد سے بھرپور پائیں گے۔ جب کہ اب بھی وہی معیار سب سے بلند ہیں۔ لیکن حالات نے تھوڑی سی تبدیلی کردی ہے یا یوں کہیئے کہ لوگوں کا رویہ بدل دیا ہے۔ انقلاب فرانس نے تہذیب کا جو معیار قائم کیا وہ انصاف، بھائی چارہ اور برابری ان تین ستون پر قائم ہے۔ ذرا غور سے دیکھئے تو جدید اور قدیم ماڈل میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آئے گا۔ لیکن ہم نئی تہذیب کی جانچ کر رہے ہیں۔ اس لئے نئے پیمانوں کا استعمال کرنا ہی مناسب ہوگا۔

سب سے پہلے انصاف کو لیجئے۔ جہاں تک ہم جانتے ہیں کسی مذہب نے انصاف کو اتنا بلند مقام نہیں دیا جتنا اسلام نے۔ عیسائی مذہب میں رحم کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ رحم میں چھوٹے

بڑے کا، اونچ نیچ کا، کمزور، طاقتور کا احساس چھپا رہتا ہے۔ لیکن جہاں انصاف ہو گا یہ تفریق ہو ہی نہیں سکتی، اور وہاں رحم کے کوئی معنی ہی نہیں رہ جاتے۔ کم از کم انسانوں کیلئے نہیں دوسری مخلوقات ہی پر اس کا استعمال ہو سکتا ہے۔ ہندو مذہب اہنسا کی بنیادوں پر قائم ہے۔ اور تہہ تک جائیے تو انصاف اور اہنسا ایک ہی شے کے دو نام ہیں۔ اہنسا کے بغیر انصاف کا اور انصاف کے بغیر اہنسا کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ مسلمانوں نے بڑی بڑی ناانصافیاں کی ہیں۔ مذہب کے نام پر انصاف کو پیروں سے خوب کچلا ہے لیکن کیا ہندوؤں نے اہنساوادی ہوتے ہوئے تشدد کے جھنڈے نہیں گاڑ دئیے؟ یہاں تک کہ بودھ اور جین راجاؤں نے اہنسا کو دھرم کا اولین جز مانتے ہوئے دھرم کے نام پر خون کی ندیاں بہا دیں۔ کسی مذہب کی خصوصیات محض اس مذہب کے کسی پیرو کے کاموں سے نہیں جانچنی چاہئیں۔ یہ دیکھنا چاہئے کہ مذہب کی تعلیمات کیا ہیں۔ حضرت محمد نے اپنے قاصدوں کو اسلام کی تبلیغ کیلئے مختلف ممالک میں بھیجتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ جب تم سے لوگ پوچھیں کہ جنت کی کنجی کیا ہے تو کہنا کہ وہ پروردگار کی عبادت اور نیک کام میں ہے۔ عرفات کے پہاڑ پر حضرت کی زبان سے جس خطبے کی بارش ہوئی تھی وہ تا قیامت اسلامی زندگی کیلئے اکسیر کا کام کرتا رہے گا۔ اور اس خطبے کا بنیادی نقطہ کیا تھا؟ انصاف، اس کے ایک ایک لفظ سے انصاف کی آواز بلند ہو رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اے مومنو! میری باتیں سنو، اور اسے سمجھو تمھیں معلوم ہو کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تمہارا ایک ہی خاندان ہے۔ ایک بھائی کی چیز دوسرے بھائی پر تب تک حلال نہیں ہو سکتی، جب تک وہ خوشی سے نہ دیدی جائے۔ ناانصافی کبھی نہ کرو، اس سے ہمیشہ بچتے رہو۔"

اس لافانی آواز میں اسلام کی روح چھپی ہوئی ہے۔ اسلام کی بنیاد انصاف پر رکھی گئی ہے۔ وہاں سخی اور سوالی، امیر اور غریب، بادشاہ اور فقیر کیلئے صرف ایک ہی قانون ہے۔ کسی کے ساتھ رعایت نہیں کسی کی طرفداری نہیں۔ ایسی سینکڑوں روایتیں پیش کی جاسکتی ہیں جب بیکسوں نے بڑے بڑے طاقتور عہدیداران کے مقابلے میں انصاف کے بل پر فتح پائی ہے۔ ایسی مثالوں کی بھی کمی نہیں جہاں بادشاہوں نے اپنے شہزادوں، اپنی بیگمات، یہاں تک کہ خود اپنے آپ کو انصاف کے آگے قربان کر دیا ہے۔ دنیا کی کسی مہذب سے مہذب سوسائٹی کے اصول عدل کا اسلام کے اصول عدل سے مقابلہ کیجئے۔ آپ اسلام کا پلڑا بھاری پائیں گے زوال پذیر ہونے پر سبھی قوموں کے اصول بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اس میں ہندو مسلم عیسائی کسی کی قید نہیں۔ آج ہم مسلمانوں کو تعصب سے بھرا ہوا پاتے ہیں لیکن جس زمانے میں اسلام کا جھنڈا کٹک سے لیکر ڈینش تک اور ترکستان سے لیکر اسپین تک لہراتا تھا۔ مسلمان بادشاہوں کی مذہبی فراخدلی تاریخ میں اپنی مثال نہیں رکھتی تھی۔ بڑے سے بڑے عہدوں پر غیر مسلموں کو معمور کرنا تو معمولی سی بات تھی اس دور کی یونیورسٹیوں کے شیخ الجامعہ تک عیسائی اور یہودی ہوا کرتے تھے۔ اس عہدے کیلئے صرف لیاقت اور تعلیم ومطالعہ کی شرط تھی، مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا سبھی یونیورسٹیوں کے دروازوں پر یہ لفظ کھدے ہوئے تھے۔ "زمین کی بنیاد صرف چار

چیزوں پر ہے۔ دانشوروں کی ذہانت، متقیوں کی عبادت، جانبازوں کی فتوحات اور طاقتوروں کی انصاف پسندی۔"

اب تہذیب کے دوسرے حصے کو لیجئے بلاشک وشبہہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس معاملے میں اسلام نے باقی تمام تہذیبوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ وہ اصول جن کا سہرا اب کارل مارکس اور روسو کے سر باندھا جارہا ہے۔ حقیقت میں عرب کے ریگستان سے باہر آئے تھے۔ اور پہلی بار یہ بات کہنا والا عرب وہ امی تھا جس کا نام محمد ہے، محمد کے سوا پورے عالم میں اور کون مذہبی رہنما ہوا ہے۔ جس نے خدا کے سوا کسی انسان کے سامنے سر جھکانے کو گناہ ٹھہرایا ہو؟ محمد کے سمجھائے ہوئے معاشرے میں بادشاہ کا مقام ہی نہیں تھا۔ انتظامیہ کا کام کرنے کیلئے صرف ایک خلیفہ مقرر کر دیا گیا تھا، جسے قوم کے کچھ مخصوص لوگ چن لیں۔ اس قانون سے انہوں نے اپنے آپ کو بھی
آزاد نہیں کیا اور دلی خواہش کے باوجود اپنے چچیرے بھائی اور داماد حضرت علی کو خلیفہ نہیں بنایا۔ حالانکہ ان کا مقام وہ تھا کہ ان کے صرف ایک اشارے پر حضرت علی کو خلیفہ چن لیا جاتا۔ اور اس چنے ہوئے خلیفہ کیلئے کوئی وظیفہ، کوئی تنخواہ کوئی جاگیر، کوئی رعایت نہ تھی۔ یہ صرف ایک اعزازی عہدہ تھا، اپنے گزارے کیلئے خلیفہ کو بھی دوسروں کی طرح محنت مزدوری کرنی پڑتی تھی۔ ایسے ایسے عظیم شخص جو ایک بڑی سلطنت کی رہنمائی کرتے تھے جن کے سامنے بڑے بڑے بادشاہ ادب سے سر جھکاتے تھے، جن کے اشارے پر بادشاہتیں بنتی بگڑتی تھیں، وہ جوتے سی کر یا قلمی کتابیں نقل کر کے یا بچوں کو پڑھا کر اپنا روزگار پیدا کرتے تھے، حضرت محمد نے کبھی پیشوائی کا دعویٰ نہیں کیا، خزانے میں ان کا حصہ بھی وہی تھا جو ایک معمولی سپاہی کا انہیں مہمانوں کے آجانے کی وجہ سے اکثر زحمت اٹھانی پڑتی تھی فاقے کرنے پڑجاتے تھے، گھر کی چیزیں بیچ ڈالنی پڑتی تھی، پر کیا مجال کہ اپنا حصہ بڑھانے کا خیال بھی دل میں آئے دوسری قوموں میں پیر (گرو استاد) کے چلن نے جتنی گڑبڑ کی ہے اس سے تاریخ سیاہ ہو گئی ہے۔ عیسائی مذہب میں پادریوں کے سوا اور کسی کو انجیل پڑھنے کی آزادی نہ تھی ہندو سماج نے بھی شودروں کی تخلیق کر کے اپنے سر کلنک کا ٹیکہ لگالیا۔ پر اسلام پر اس کا دھبہ تک نہیں غلامی کا چلن تو اس وقت پورے عالم میں تھا لیکن اسلام نے غلاموں کے ساتھ جس قدر اچھا سلوک کیا، اس پر اسے ناز ہوسکتا ہے ایسے غلاموں کی کمی نہیں ہے۔ جو اپنے مالک کے بعد اس کے تخت پر بیٹھے اور اسکی بیٹی سے نکاح کیا، اور کس سماج نے چھوٹے طبقوں کے ساتھ یہ فراخدلی دکھائی ہے؟ ان طبقوں کے ساتھ اسلام نے جو سلوک کئے ہیں انہیں سامنے رکھا جائے تو دوسری قوموں کا سلوک وحشیانہ معلوم ہوتا ہے کس سماج میں عورتوں کا جائیداد پر اتنا حق مانا گیا ہے جتنا کہ اسلام میں؟ یوں عقل اور دولت کا ٹکراؤ ہمیشہ رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا لیکن اسلام نے سماج کے کسی طبقے کے پیروں میں بیڑی نہیں ڈالی وہاں ہر شخص سماج میں اتنی ترقی کر سکتا ہے جتنی کا وہ حقدار ہو۔ اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ، کوئی روڑا نہیں ہمارے خیال میں وہی تہذیب سب سے بلند ہونے کا دعویٰ کرسکتی ہے

جو فرد کو زیادہ سے زیادہ ترقی کا موقع دے، اس لحاظ سے بھی اسلامی تہذیب کو کوئی کمتر نہیں ٹھہرا سکتا۔

اب تہذیب کا تیسرا پہلو لیجئے۔یہاں بھی اسلام کسی دوسری قوم سے پیچھے نہیں ہے۔حضرت محمد نے فرمایا ہے۔ "کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی بندوں کیلئے وہی خواہش نہ رکھے جو وہ اپنے لئے رکھتا ہے" ایک دوسری جگہ آپ نے کہا ہے "جو شخص دوسروں کا بھلا نہیں کرتا خدا اس سے خوش نہیں ہوتا" ان کا قول سونے کے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ "اللہ کی پوری کائنات اس کا کعبہ ہے اور وہی شخص اللہ کا پرستار ہے جو اس کے بندوں کے ساتھ نیکی کرتا ہے" کسی مومن نے ایک بار آپ سے پوچھا تھا۔خدا کی بندگی کیسے کی جائے؟ آپ نے فرمایا۔اگر تمہیں خدا کی بندگی کرنی ہے تو پہلے اس کے بندوں سے محبت کرو" ان تعلیمات سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام کے رہنمانے بھائی چارے کی اہمیت کو دوسری قوموں کے مقابلے میں کم نہیں سمجھا۔

یہ تو تہذیب کے بنیادی نکات ہوئے اس کے علاوہ سیاسی طریقہ کار تعلیم پر زور، آزادی وخود مختاری سے عشق، فنون لطیفہ میں مہارت بے مثال عمارتوں کی تعمیر، خوش لباسی وغیرہ پر اس تہذیب کا گہرا اثر ہے سود کی روایت نے دنیا میں جتنی گڑبڑی کی ہے۔اور کررہی ہے کسی سے چھپی نہیں۔اسلام وہ اکیلا مذہب ہے جس نے سود کو حرام ٹھہرایا۔یہ دوسری بات ہے کہ کاروباری نگاہ سے اس پر پوری طرح پابندی نہیں لگ پائی لیکن سماجی نظریے سے کوئی بھی اس روایت کی تائید نہیں کرتا، علم کے فروغ میں تو شاید بہت کم قومیں مسلمانوں کی برابری کا دعویٰ کرسکتی ہیں۔ہندوستان سے آیورویدا، حساب نجوم اور منطق، یونان سے فلسفہ اور جمہوری نظام غرض جہاں سے جو بیش قیمت نظریہ ملا، اسلام نے دونوں ہاتھ پھیلا کر اسے اپنایا اور اسے اپنی تہذیب کا حصہ بنالیا، ان کی بنائی ہوئی عمارتیں اب تک ان کے معماروں کا نام روشن کررہی ہیں۔ آزادی اور خود مختاری کی ایسی لگن بھی شاید ہی اور کہیں دیکھنے میں آئے۔ آج کون سا ایسا حساس انسان ہے جو مٹھی بھر لوگوں کو یورپ کی دو بڑی طاقتوں سے جوجھتے دیکھ کر فخر سے پھول نہ اٹھے؟ دمشق میں، شام میں، ترکی میں، مصر میں، جہاں دیکھئے مسلمان آزادی کے نام پر اپنے کو قربان کررہے ہیں۔ افغانستان صرف آزادی پر مرمٹنے کیلئے تیار ہونے کی وجہ سے آج آزاد ہے۔ہم تو یہاں تک کہنے کو تیار ہیں کہ اسلام میں عوام کو اپنی طرف راغب کرنے کی جتنی طاقت ہے اتنی اور کسی تہذیب میں نہیں ہے۔جب نماز پڑھتے وقت ایک مہتر اپنے کو شہر کے بڑے سے بڑے رئیس کے ساتھ ایک ہی قطار میں کھڑا پاتا ہے تو کیا اس کے دل میں خوشی کی ترنگیں نہیں اٹھنے لگتی ہوں گی۔اس کے برخلاف ہندو سماج نے جن لوگوں کو نیچ بنادیا ہے ان کو کنوئیں کی جگت پر بھی نہیں چڑھنے دیتا۔انہیں مندروں میں گھسنے نہیں دیتا یہ اپنے سے ملانے کے نہیں اپنے سے الگ کرنے کے طریقے ہیں۔مذہب اسلام اور اسلامی تہذیب کو دنیا میں جو کامیابی ملی ہے وہ تلوار کے

زور سے نہیں ۔اسی بھائی چارے کی وجہ سے ملی ہے ۔ آج بھی افریقہ میں عیسائیت کے مقابلے میں اسلام کی تبلیغ زیادہ ہورہی ہے ۔ حالانکہ عیسائیوں کے پاس للچانے کے سامان زیادہ ہیں ۔اور یہاں صرف نام اللہ کا ہے ۔

آخرمیں ہم تنظیم اور انجمن کے مہربانوں سے یہ گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ ان تقریبات سے اب ہم دونوں قوموں کے بیچ میں ایک لوہے کی دیوار کھڑی کررہے ہیں ۔اگر آپ بنا مسلمانوں سے بگاڑ کئے ہوئے اپنی قوم کو منظم کرسکتے ہیں، بیواؤں کا، یتیموں کا، اچھوتوں کا بھلا کرسکتے ہیں ۔تو شوق سے کیجئے ۔ مسلمانوں کی تنظیم میں بھی کوئی برائی نہیں ہے، اگر وہ بنا ہندوؤں سے بگاڑ کئے ہوئے کی جاسکے ۔ لیکن اب تک ہمیں جو تجربہ ہوا ہے وہ صاف بتارہا ہے کہ آپسی اور اندرونی تنظیم صرف تخیل کی جنت ہے ۔اندرونی تنظیم کیلئے ریاضت پیار، اور چاہت کی اسپرٹ درکار ہے جس سے ہم دور ہیں ۔اندر جولاکھوں برائیاں ہیں وہ ویسی کی ویسی بنی ہوئی ہیں ۔ ان میں ذرہ برابر بھی بہتری نہیں آپاتی اور دونوں قوموں میں من مٹاؤ دن بدن بڑھتا جاتا ہے ۔ کم از کم اتنا تو ثابت ہو ہی گیا ہے کہ جس رفتار سے ہندو مسلم مخالفت بڑھ رہی ہے اس رفتار سے ہندؤوں کی اندرونی تنظیم نہیں بڑھ رہی ہے ۔نتیجہ یہی ہوگا کہ نہ ہم متحد ہوں گے نہ آزادی کی منزل کے راستے پر بڑھ پائیں گے اور ہمارے حالات دن بدن بدتر ہوتے چلے جائیں گے ۔

قومی خدمت ایک عبادت ہے

اور

سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے

سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے

اسلامی دنیا کو مغربی تہذیب کے سائے میں لانے کی کوشش

حافظ محمد اقبال رنگونی

گزشتہ دنوں امریکی نشریاتی ادارہ CNN کی ایشیائی خبروں کی ایک رپورٹ میں بتلایا گیا کہ ملیشیا میں ایک غیر مسلم خاتون کی زیر ادارت ایک نئے رسالہ کا اجراء ہوا ہے جس کا مقصد (بظاہر) جنسیات کے موضوع پر ہدایات دینا ہے تاکہ ملیشیا کے نوجوان ایڈز جیسی مہلک بیماری سے اپنے آپ کو بچاسکیں - سرورق اور اندرونی صفحات میں نیم عریاں تصاویر بھی شائع کی جائیں گی - رسالہ کی ایڈیٹر کا کہنا ہے کہ اس رسالہ کے ہر شمارے میں جنس اور جنسیات کے موضوع پر ایک مضمون ضرور شائع ہوا کرے گا تاکہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ان مضامین کی رو سے اپنا نیا دائرہ عمل بناسکیں - پروگرام میں اس رسالہ کی مقبولیت کا دعوی بھی کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس نئے رسالہ کی خریداری بہت بڑھ چکی ہے

ملیشیا ایک اسلامی ملک ہے یہاں کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے اور یہ مسلمان اپنے مذہبی عقائد اور اسلامی اعمال میں مخلص اور پختہ ہیں - اسلام سے والہانہ محبت کرتے ہیں اور اسلامی اعمال کی ادائیگی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں نوجوانوں میں دینی ذوق اور شوق کافی پایا جاتا ہے مسلم خواتین اپنے سروں کو ڈھانپ کر باہر نکلتی ہیں اور یہ وہاں معمول کی بات ہے - یورپ اور امریکہ کی فضاؤں میں بھی ملیشیا کے مسلم نوجوان اور خواتین اسی طرز پر نظر آتے ہیں اور اسی ہیئت پر زندگی گذارنا انہیں پسند ہے اور ان ممالک میں جہاں بے دینی اور بے حیائی کے جراثیم ہر جگہ پھیلے پڑے ہیں ملیشین نوجوان اور خواتین اپنے آپ کو ان جراثیم سے بچائے ہوئے ہیں - دینی مجالس و محافل میں حاضری اور ملیشین نوجوانوں کا تبلیغی اجتماعات میں جانا ہر ایک پر کھلا ہوا ہے

ملیشیا جیسے ملک میں ایک ایسے فحش رسالے کا اجراء اور اسکی مقبولیت کا دعوی ہر مسلمان کیلئے پریشان کن ہے سی این این کی اسی رپورٹ میں اسلامی یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے اس خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس قسم کے فحش مضامین پر مبنی رسالہ کا جاری ہونا ملک کیلئے نیک شگون نہیں ہے اور اسکے خلاف ایکشن لیا جانا بہرحال ضروری ہے

میگزین کی ایڈیٹر اور سی این این کی رپوٹر کا دعوی ہے کہ یہ رسالہ بڑی تیزی سے مقبول ہو رہا ہے اور اسکی لاکھوں کاپیاں ہاتھوں ہاتھ نکل چکی ہیں - یہ واقعی حقیقت ہے یا محض پروپیگنڈہ ؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ملیشیا اور اسکے قرب وجوار میں موجود دوسرے اسلامی ممالک پر یہ تاثر قائم کرنا ہو کہ اس وقت اسلامی ممالک پوری طرح مغرب کے قبضے میں جارہے ہیں اور اب ان ممالک کے لوگوں کو اسلام اور اسلامی اقدار کی ترغیب دینا وقت کا ضیاع ہے اسلئے انہیں اسی حال پر چھوڑدیا جائے جس

حال میں وہ رہنا چاہتے ہیں (یا مغرب جس حال میں انہیں رکھنا چاہتا ہے) ان پر کسی قسم کی کوئی مذہبی پابندی عائد نہ ہو اور نہ یہ نوجوان اب ان پابندیوں کو قبول کریں گے بلکہ کھلے عام ان فحش مضامین سے لطف اندوز ہونگے اور اگر کسی حکومت نے اسکے خلاف کوئی کاروائی کی تو یہ انکے انسانی حقوق پر حملہ سمجھا جائے گا اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دی جائے گی بلکہ اہل مغرب کے نزدیک یہ ناقابل معافی جرم شمار ہوگا سو نہ صرف یہ کہ مغرب اور اقوام متحدہ اسکا سخت نوٹس لیں گے بلکہ ان ممالک کے یہ لاکھوں شائقین حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہونگے

اس میگزین کی لاکھوں کاپیاں چھپ کر نذر آتش کردی جاتی ہیں یا واقعی مقبول عام ہورہی ہیں اس سے بھی صرف نظر کرلی جائے تو بھی یہ بات اپنی جگہ لائق غور ہے کہ ایک اسلامی ملک میں نیم عریاں تصویر کے ساتھ رسالہ کا شائع ہونا اور اسکے ہر شمارے میں جنسیات کا مضمون ہونا کیا رنگ لائے گا ؟ اور ایک اسلامی ملک کے نوجوانوں کے اخلاق وکردار پر یہ کیا اثرات مرتب کرے گا ؟

ہم سمجھتے ہیں کہ اعدائے اسلام کی ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت یہ کاروائی شروع کی گئی ہے ۔ بات یہ ہے کہ پچھلے کچھ سالوں سے ملیشیا کے حکمراں امریکہ اور مغرب کے ہاتھ نہیں آرہے بسا اوقات انکی آنکھوں میں انکھیں ڈال کر بات کرنے کی جرات بھی کرجاتے ہیں ۔ ملیشیا کے وزیر اعظم ڈاکٹر مہاتر محمد اقوام متحدہ کی دوغلی پالیسیوں اور اسکی سازشوں کو سخت تنقید کا نشانہ بناچکے ہیں اور برطانوی وزیر اعظم اور انکے دیگر ساتھیوں کو کھری کھری اور دوٹوک باتیں بھی سناچکے ہیں ۔ گزشتہ دنوں برطانوی اخبارات نے موصوف کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنایا تھا اور اپنے شماروں میں ملیشیا کے وزیر اعظم اور انکی پالیسیوں پر شدید تنقید کرکے یورپ میں رائے عامہ ہموار کرنے کی کوشش کی تھی ۔ تاہم موصوف نے ان کے ہر بیان اور الزام کا نہایت مدلل اور موثر پیرایہ میں جواب دیا تھا اور تہذیب وشرافت کے ان دعویداروں کو آڑے ہاتھوں لے کر انہیں (انکے آئینہ میں) انکا خوفناک چہرہ دکھلایا تھا اور انہیں بتلایا تھا کہ دنیا کو تہذیب وشرافت کا سبق سکھانے والے کس قدر تہذیب وشرافت اور اخلاق وحیاء سے عاری ہوچکے ہیں ۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ وہ زبردست طمانچہ تھا جس نے امریکی اور مغربی بالخصوص برطانوی مفکرین کے خیالات میں ایک عجیب انتشار پیدا کردیا تھا اور وہ اسی فکر میں تڑپنے لگے تھے کہ جس طرح بھی بن پڑے اس ملک (ملیشیا) کو مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگ دیا جائے اور نیم عریاں تصاویر اور جنسی مضامین کے ذریعہ ملیشیا کے اسلامی معاشرے میں رخنہ اندازی کی جائے اور اخلاق وشرافت کا جنازہ نکال دیا جائے

بے شک ملیشیا میں غیر مسلم بھی رہتے ہیں لیکن اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایک اسلامی ملک کے غیر مسلموں کو مخرب اخلاق اور حیاء سوز سرگرمیوں کا رسیا بنایا جائے ۔ یہ وہاں کے غیر مسلم بھی ہماری ہی سوسائٹی کے افراد ہیں ان کو بداخلاق بنانا اور انہیں بے حیاء بنانے کی راہیں ہموار کرنا یہ

ہماری قدروں کے خلاف ہے اور بداخلاقی وبد تہذیبی کو شرافت اور تہذیب ہے کہنا ظلم نہیں تو اور کیا ہے ؟
جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے مخرب اخلاق رسائل ومضامین کے ذریعہ جسمانی بیماریوں پر قابو

پایا جاسکتا ہے اور معاشرے کو صاف کیا جاسکتا ہے ہمارے نزدیک یہ لوگ اس معاشرے کے ہمدرد اور وفادار نہیں ہوسکتے - کیا کبھی گندگی گندگی کے ذریعہ دور ہوئی ہے ؟ یہ تو اور زیادہ گندگی میں مبتلا کردیتا ہے اس قسم کے رسائل سے بیماریاں تو دور نہیں ہوسکتی البتہ بد اخلاقی جنسی آوارگی کی اور کئی بیماریاں پھیل سکتی ہیں ان سے معاشرہ نت نئی جسمانی اور روحانی غلاظتوں کا شکار ہوا کرے گا ملیشیا کے حکمرانوں سے ہم درخواست کرتے ہیں کہ وہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی روایات کے احترام اور اپنے معاشرے کو اس تباہی وبربادی سے بچانے کی خاطر ان تمام مخرب اخلاق اور حیاء سوز رسائل وجرائد اور پروگراموں پر فوری پابندی عائد کریں جن سے شرف انسانی مجروح ہوتی ہے اور ان ممالک سے جو اس قسم کے رسائل شائع کرنے میں سرفہرست سمجھے جاتے ہیں یہ سوال کریں کہ کیا ان ممالک میں ان رسالوں کی بدولت ایڈز اور بداخلاقی میں کمی ہوئی ہے یا اس میں اور اضافہ ہورہا ہے - مغرب کے اعداد وشمار پر نظر کیجئے تو یہ بات کھل جائے گی کہ مغربی تہذیب شرف انسانی کو پامال کرنے کی ایسی راہیں مہیا کی ہیں کہ جس سے دور جاہلیت بھی شرما کر رہ گیا ہے - بہتر ہے کہ اسلامی ممالک جتنی جلدی ہوسکے اس ذلت کے طوق کو اپنی گردن سے اتار پھینکیں ورنہ انجام کار عبرتناک تباہی ہے - سچ کہا ہے
--- اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں --- نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

یورپی رہنما اسلام کا فلسفہ اخلاق اپنالیں تو ساری خرابیاں دور ہوسکتی ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم
آرچ بشپ آف کینٹربری ڈاکٹر جارج کیری نے کہا کہ برطانیہ میں مذہبی اقدار روبہ زوال ہیں اور مذہب ہابی کی شکل اختیار کرگیا ہے بی بی سی ریڈیو میں بیان دیتے ہوئے انہوں نے کہا - اخلاقیات ذاتی پسند اور ناپسند پر منحصر ہوکر رہ گیا ہے اس صورت حال کے تدارک کیلئے صحیح اور غلط میں تمیز کو عام کرنا ہوگا انہوں نے کہا کہ برطانوی معاشرہ غلط اور درست کی تمیز کھوچکا ہے بعد ازاں دار الامراء میں خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ خدا کو انسانی کی ذاتی زندگی تک محدود کردیا گیا ہے رواں صدی میں چرچ جانے والوں کی تعداد میں تیزی سے کمی آرہی ہے - ادھر ٹیلی گراف میں شائع ہونے والے ایک سروے کے مطابق ۷۵ فیصد لوگوں کا خیال ہے کہ اخلاقی اقدار کا معاملہ لوگوں کی ذاتی پسند اور ناپسند پر چھوڑدیا جانا چاہئے

برطانیہ میں اینجلیکن چرچ کے سب سے بڑے مذہبی رہنما کا یہ اعتراف کہ برطانوی معاشرہ مذہبی طور پر بالکل دیوالیہ ہوچکا ہے اور اسکی اخلاقی قدریں روبہ زوال ہیں جہاں اپنی جگہ عبرت کا سامان لئے ہوئے ہے تو ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی اجاگر کررہا ہے کہ برطانیہ (یورپ اور امریکہ) سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہزار وسعتوں اور اس میدان میں لاکھ کامیابیوں کے باوجود اخلاقی گراوٹ کی انتہا تک پہنچ چکا ہے - نوبت بایں جا رسید کہ یہ معاشرہ اب اس بات سے بھی بے خبر ہوگیا کہ مذہب اور الحاد میں کیا فرق ہے - صحیح کیا ہے اور غلط کیا؟ اخلاق اور شرم کیا ہے اور بداخلاقی و بے شرمی کسے کہتے ہیں ؟ اس وقت جو عمل یورپی معاشرے کو بھاجاتا ہے اسکا نام تہذیب بن جاتا ہے اور جس قانون سے انکی نفسانی خواہشات پر ضرب پڑتی ہے اور انکی آزادی میں خلل آتا ہے وہ مذہب اور قانون دقیانوسی ہوجاتا ہے اسے پرانے خیالات کی صف میں لاٹھادیا جاتا ہے - پھر کیا سیاسی لیڈر اور کیا مذہبی رہنما سب مل کر اس قانون کو رخصت کرنے کی بات کرتے ہیں اور جتنی جلدی ہوسکے اس مذہب اور قانون سے جان چھڑانے کی کوشش کی جاتی ہے -

نوجوانوں کی بے راہ روی اور مذہب سے دوری کا یہ مسئلہ صرف برطانیہ کا نہیں پورا یورپ اسکی لپیٹ میں ہے - یورپی دانشوروں کے خیال میں تہذیب اور موجودہ دنیا میں اپنے آپ کو منوانے کا طریقہ یہ ہے کہ نوجوانوں کو فکر ونظر کی پوری آزادی دی جائے ان پر کسی طرح کی پابندی عائد نہ ہو انکی قبیح اور غلیظ حرکات کو نہ صرف گوارا کیا جائے بلکہ اسکے لئے قانون بنائے جائیں تاکہ انہیں پوری سہولت ملے - حکومت بھی اس قسم کے بے شرموں اور ملحدوں کی بھرپور سرپرستی کرے اور مالی امداد کے ذریعہ انکی آزادی کو اور پروان چڑھاتی رہے - یورپ اور برطانیہ کے قوانین بتلاتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو پوری رعایت دی گئی ہے - پالیمینٹ میں سیاسی لیڈر انکی پشت پناہی کرتے ہیں اور انکے خلاف کوئی بات کرنا تہذیب اور آزادی کے منافی قرار دیتے ہیں -

مقام افسوس تو یہ ہے کہ وہ مذہبی رہنما جن کا کام ہی غلط اور صحیح میں فرق دکھلانا تھا اور ان اخلاقی قدروں کو اجاگر کرنا تھا جن سے معاشرے میں مذہبی اقدار کو فروغ ملے - وہی غلط اور صحیح میں فرق نہ کرسکے - اور غلط کو علی الاعلان غلط کہنے کی جرات ان میں نہیں رہی - اب جو برائی معاشرے میں ابھرتی ہے اور نوجوانوں میں مقبولیت پاجاتی ہے یہ ہی رہنما اسکے آگے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں اس برائی کے خلاف اٹھنے اور ایسے لوگوں کی حوصلہ شکنی کرنے کے بجائے اسے مذہبی طور پر گوارا کرنے کی راہ تلاش کی جاتی ہے - ہم جنس پرستی - واھیات لٹریچر کی بھرپور اشاعت کے خلاف نہ سیاسی رہنما اٹھتے ہیں اور نہ ہی مذہبی رہنما کھل کر سامنے آنے کی ہمت کرتے ہیں -

کیا یہ حقیقت نہیں کہ یورپ کے کئی مذہبی رہنما باقاعدہ اپنی عبادت گاھوں میں ہم جنس پرست جوڑے کو رشتہ ازدواج میں منسلک کرنے کا شرف حاصل کرچکے ہیں - اسی برطانیہ کے ایک بشپ یہ مطالبہ کرچکے ہیں کہ جسم فروشی کو قانونی تحفظ مہیا کیا جائے اور زنا کے بارے میں مفاہمانہ رویہ

اختیار کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے ۔ اسی برطانیہ کے مذہبی رہنماؤں (چرچ آف انگلینڈ) نے کھلے عام یہ اعلان کیا ہے کہ شادی کئے بغیر مرد وعورت کا اکٹھا رہنا مذہب کی نظر میں کوئی جرم نہیں ۔ اسے گناہ نہیں کہا جاسکتا ۔ بلکہ انہوں نے اپنے متبعین کو یہ فرمان بھی سنادیا ہے کہ اس قسم کے افراد کی ان حرکات خبیثہ کو گناہ کے لفظ سے بھی یاد نہ کریں

یعنی خلاف فطرت اور دیگر قبیح حرکات پر اظہار ناراضگی تو کجا انہیں مذہبی طور پر پوری آزادی بخشی گئی اور ان کے ہر گندے عمل کو سند جواز فراہم کی گئی ہے ۔ اب آپ ہی بتلائیں برطانیہ کے اس معاشرہ کو روحانی گندگی میں پھینکنے اور مذہب واخلاق سے بے گانہ کرنے کے مجرم کون ہیں ؟ کیا یہ مذہبی رہنما نہیں جو ہر برائی کا کھل کر ساتھ دیتے ہیں اور انکی ہر سطح پر تائید کرتے ہیں ؟

جس باغ کا مالی صیادوں سے آنکھ مچولی کرتا ہو ـــ اے بلبل ناداں تو ہی بتا انجام گلستان کیا ہوگا

برطانیہ سے شائع ہونے والے عیسائیوں کے ایک مذہبی رسالہ کے مطابق ڈاکٹر کیری نے برطانوی معاشرے کی اس ابتری اور تنزلی کا ذمہ دار والدین اور اسکولوں کو ٹھہرایا ہے اور بتلایا ہے کہ والدین کی عدم توجہی اور اسکولوں میں اخلاقی تربیت کے فقدان کے باعث برطانوی معاشرہ مذہبی اور اخلاقی طور پر رو بہ زوال ہے ۔ انہوں نے والدین اور اسکولوں کے ذمہ داروں سے کہا کہ وہ اپنے نوجوانوں کو اخلاقی تربیت دینے کی ذمہ داری ادا کریں ۔ ڈاکٹر کیری کے اس بیان کی روشنی میں برطانوی وزیر تعلیم Gillian Shepherd نے اعلان کیا ہے کہ اسکولوں میں مذہبی اسمبلی کو لازمی قرار دیا جائے گا اور نہایت سختی سے اس پر عمل در آمد کیا جائے گا اس بارے میں مزید اقدامات بھی کئے جائیں گے

تاہم ڈاکٹر کیری کے اس بیان کو اسکول کے ٹیچروں نے غیر ذمہ دارانہ بیان قرار دیا ہے ایک سابق ٹیچر Viscount Tonypandy نے کہا کہ برطانوی معاشرے کی خرابیوں کی ذمہ داری اسکولوں پر ڈالنا درست نہیں اگر معاشرہ غلط راہ پر چل پڑا ہے تو اسکی وجہ اسکول نہیں ہیں بلکہ برطانوی معاشرے میں مذہب کا فقدان ہے اس معاشرے کے ہاتھوں مذہب کی رسی چھوٹ چکی ہے اور یہ قوم ایمانیات کے دائرے سے نکل کر مادیات کے سیلاب میں بہہ چکی ہے ۔ یہ بات کہ برطانوی معاشرے سے مذہب کے چلے جانے کی وجوہات کیا ہیں تو یہ دوسرا سوال ہے تاہم یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ مذہب ہی اخلاق کے فاصلے طے کرتا ہے جب ہمارے پاس مذہب ہی نہیں تو معاشرے میں بد اخلاقی اور غلط اور صحیح میں تمیز نہ ہو تو اور کیا ہو ؟

اساتذہ کی یونین نے مذکورہ سابق ٹیچر کے اس بیان سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ اسکول کے ٹیچر اپنے اپنے دائرے میں اپنی ذمہ داریاں بطریق احسن ادا کررہے ہیں انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر ہم معاشرے کو بہتر بنانا چاہتے ہیں تو پھر معاشرے کے ذمہ دار افراد کو اپنی حالت بدلنی ہوگی اور قوم کے لیڈروں کو ایک اچھی مثال پیش کرنی ہوگی (دیکھئے میتھوڈسٹ ریکارڈ ۱۱ جولائی ص ۲)

یعنی قوم کے ذمہ افراد (مذہبی اور سیاسی رہنما) ہی صحیح اور غلط میں فرق نہ کریں اور غلط کے خلاف کھل کر سامنے نہ آئیں تو پھر نوجوانوں سے اسکی توقع رکھنا ہی عبث ہے

ڈاکٹر جارج کیری متعدد مرتبہ برطانوی معاشرے کی ابتری کا رونا روچکے ہیں اور اس معاشرہ کو مذہبی اور اخلاقی سطح پر بیمار معاشرہ بتلاچکے ہیں - موصوف کے ان بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ موصوف برطانوی معاشرے کو مذہب کے قریب لانا چاہتے ہیں اور اس معاشرے کی اخلاقی تربیت کے شدید خواہاں ہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہ انکے پاس مذہب کی صحیح تعلیمات ہیں اور نہ اخلاقیات کا کوئی نصاب کہ جسکی روشنی میں وہ معاشرے کو روحانی سکون سے ہمکنار کرسکیں - اب وہ اس بیمار معاشرے کے علاج کیلئے جو نسخہ اختیار کرتے ہیں اس سے مرض ختم ہونے کے بجائے اور بڑھتا جاتا ہے اور مریض دن بدن خطرناک حالت اختیار کرتا جاتا ہے - اسکی وجہ سوائے اسکے اور کیا ہے کہ مرض کا صحیح علاج انکے پاس نہیں اور اگر کسی درجے میں ہے بھی تو وہ اس نسخے کو آزمانے کیلئے تیار نہیں بلکہ جہاں جہاں یہ نسخہ استعمال کیا جاتا ہے یہ رہنما اسے پاگل پن اور نام نہاد تہذیب کے صریح منافی قرار دیتے ہیں اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ ان لوگوں کے اس طرز عمل سے مریض شفایاب ہوسکتا ہے ؟

برطانوی معاشرے کی ابتری اور اخلاق باختگی نے یہاں کے سنجیدہ اہل فکر کو عجیب مخمصے میں ڈال رکھا ہے یہ اہل فکر پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ بنیادوں کی طرف واپسی کا سفر شروع کرو لیکن بنیادیں ہیں کہاں ؟ یہ کوئی نہیں بتلاتا - اور نہ انہیں خود پتہ ہے کہ یہ بنیادیں کیا ہیں اور کہاں ہیں - یہ رہنما پکارتے رہ جاتے ہیں پھر بھی معاشرے میں بہتری اور بنیادوں کی طرف واپسی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی (البتہ جس مذہب کے پاس بنیادیں ہیں اور نہایت مضبوط و مستحکم ہیں اگر کوئی اسکی طرف قدم اٹھاتا ہے تو یہ ہی مفکرین چیخ پڑتے ہیں کہ یہ بنیاد پرست ہیں اور بنیاد پرستی سے ساری دنیا کا امن خطرے میں پڑجائے گا)

ہمیں ڈاکٹر کیری اور ان جیسے دوسرے اہل فکر کی اس حالت پر رحم آتا ہے اور ہم اس نازک موڑ پر انہیں اسکے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں وہ اسلام کا تیار کردہ نسخہ بھی آزماکر دیکھ لیں - اگر اسلام کو بطور عقیدہ اختیار کرنے کی ان میں جرات نہیں تو کم از کم تہذیب اخلاق کے درجہ میں اسے اپنالیں - ہم پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ اس نسخہ پر عمل کرنے سے نہایت ہی قلیل عرصہ میں اخلاقی قدروں میں وزن آنے لگے گا - خدا خوفی پیدا ہوگی اور معاشرہ میں حق وباطل اور صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کا جذبہ بیدار ہوگا - اگر آپ واقعی موجودہ صورت حال کے تدارک کیلئے کوشاں ہیں تو یہ قدم بھی اٹھاکر دیکھئے (انشاء اللہ تعالیٰ) آپ کو کبھی مایوسی نہیں ہوگی -- وماعلینا الا البلاغ المبین

شب و روز

دارالعلوم حقانیہ کی پچاس سالہ تقریب دستار بندی و ختم بخاری شریف

عبدالوہاب مروت

یوں تو ہر سال دارالعلوم حقانیہ میں دستار بندی کی تقریب بڑے جوش و خروش اور تزک و احتشام سے منائی جاتی ہے ۔ لیکن امسال اس تقریب کو کئی وجوہ سے امتیازی حیثیت حاصل تھی ۔ دارالعلوم کے پچاس سال پورے ہو رہے تھے ۔ مولانا سمیع الحق صاحب کے فرزند ۔ حافظ راشد الحق کی دستار بندی بھی ہونے والی تھی، جدید دارالحدیث کی عظیم عمارت (ایوان شریعت) کا افتتاح بھی ہو چکا تھا ۔ غیر معمولی اہتمام کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ دارالعلوم حقانیہ میں ملک کا سب سے بڑا دورہ حدیث ہوتا ہے ۔ حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ نے حضرت مدنی رحمہ اللہ کے طرز پر حدیث مبارکہ کا یہ سلسلہ شروع فرمایا تھا یہ حضرت مولانا اور اکابرین دیوبند کی برکات ہیں کہ ہر سال اس میں برابر اضافہ ہوتا چلا آرہا ہے ۔ اگر داخلہ، تحریک طالبان ، وسائل کی قلت اور کڑی امتحانی شرائط کے پیش نظر محدود نہ رکھا جاتا تو بلا شبہ یہ تعداد پانچ سو کی بجائے ہزار بارہ سو تک پہنچ جاتی ۔ پاکستان کی تاریخ میں اب بھی یہ ایک ریکارڈ تعداد ہے فالحمد للہ علی ذالک ۔ اسلامی تحریک طالبان کے سرکردہ قائدین بھی اس تقریب میں حضرت مہتمم مولانا سمیع الحق صاحب کی دعوت پر آرہے تھے ۔ جن میں سے اکثر دارالعلوم کے فضلاء تھے ۔

دارالعلوم کا اپنا امتحان امسال جلسہ دستار بندی کے بعد مقرر کیا گیا اور اسکی وجہ یہ تھی کہ جن فضلاء نے وفاق المدارس کا امتحان دینا تھا ۔ جلسہ دستار بندی کی وجہ سے انکا وفاق کا امتحان متاثر نہ ہو ۔

تقریب سے کئی ہفتے قبل فضلاء نے اپنے عزیز و اقارب کو دعوت نامے بھجوانے شروع کر دیئے ۔ دارالعلوم کی طرف سے بھی ملک کے چیدہ چیدہ علماء، مشائخ سیاسی رہنماؤں اور دانشوروں کو دعوت نامے ارسال کر دیئے گئے ۔ دارالعلوم کے طلباء اور خصوصا دورہ حدیث کے طلباء کا جذبہ دیدنی تھا ۔ انہوں نے از خود دارالعلوم کو سجانا شروع کیا ۔ جا بجا خیر مقدمی بینر زاویزاں کیئے گئے ۔ قرب جوار کے درودیواروں پر دارالعلوم اور تحریک طالبان کے حق میں نعرے مختلف رنگوں سے لکھے گئے ۔ دارالعلوم کے تمام داخلی دروازوں پر خوبصورت گیٹ بنائے گئے ۔ جن پر رنگارنگ خیر مقدمی اور خوش آمدید کے بینر زلگائے گئے ۔ اطراف و اکناف میں مہمانوں کی ضیافت کیلئے طلباء نے ٹینٹ وغیرہ کا بندوبست کر رکھا تھا ۔ اکوڑہ خٹک نوشہرہ، شیدو اور جہانگیرہ سے تمام کراکری، کرسیاں اور ٹینٹ وغیرہ دارالعلوم پہنچ چکا تھا ۔ الغرض شام تک دارالعلوم ایک بڑے میلے کا سماں پیش کر رہا تھا ۔ ہر کونے اور ہر جانب رنگ و نور کا ایک عجیب سماں تھا ۔ طلباء کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے ۔

تقریب ۱۲ دسمبر کو ہونا تھی لیکن گیارہ دسمبر کی صبح ہی سے مہمانوں کی آمد شروع ہوگئی ۔ اور شام

تک دارالعلوم کے تمام احاطے، مہمان خانہ، دارالعلوم کے آس پاس کی مساجد اور اکوڑہ خٹک کے باشندگان کے بیٹھک جو انہوں نے از خود مہمانوں کیلئے پیش کیئے تھے مہمانوں سے بھر گئے۔اس کے ساتھ جمعیت علماء اسلام کے اکابرین بھی پہنچ چکے تھے اور رات کو مجلس عاملہ کا اجلاس بھی منعقد ہوا۔رات بھر مہمانوں کی آمد جاری رہی۔مہمانوں کے قیام اور انکے رہائش کیلئے طلباء ہمہ تن مستعد رہے۔

۵ دسمبر کا سورج دارالعلوم کیلئے ایک نئے پیغام کے ساتھ طلوع ہو رہا تھا۔جوں جوں تقریب کا وقت قریب آتا جا رہا تھا چہل پہل میں اضافہ ہو رہا تھا اور انسانوں کا سیلاب دارلعلوم کی جانب بڑھتا چلا آرہا تھا۔بغیر کسی پیشگی روایتی اشتہار کے خلق خدا کا اتنا بڑا ہجوم دارالعلوم حقانیہ کی زندہ کرامت تھی۔

سٹیج دارالعلوم کی جامع مسجدی کے شمالی طرف بنایا گیا تھا۔نماز ظہر کے بعد باقاعدہ جلسہ شروع ہوا۔ جلسہ گاہ لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔سامنے کا میدان، مسجد کا صحن، چمن احاطہ مدنیہ و احاطہ یوسفیہ کی گیلریاں اور چھتیں ہر جگہ لوگوں کے سر نظر آرہے تھے۔

نماز ظہر کے بعد تلاوت قرآن کریم اور نعت شریف سے باقاعدہ تقریب کا آغاز ہوا۔سٹیج پر بڑے بڑے علماء کرام افغان رہنما، تحریک طالبان کے سرکردہ قائدین اور اساتذہ دورہ حدیث موجود تھے۔سٹیج سیکرٹری کے فرائض نائب مہتمم حضرت مولانا انوارالحق صاحب سر انجام دے رہے تھے۔جوں ہی مفتی اعظم، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد فرید صاحب مدظلہ تشریف لائے طلباء دورہ حدیث کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔اپنے استاذ اور مربی کے ساتھ یہ عقیدت دیکھ کر مہمان حیرت زدہ رہ گئے۔انہیں کیا معلوم تھا کہ استاذ اور شاگرد کا رشتہ کس قدر جذباتی اور والہانہ ہوتا ہے۔دورہ حدیث کے طلباء کے دلوں کا عجیب عالم تھا۔ایک طرف اگر فراغت کی خوشی تھی تو دوسری طرف مادر علمی اور آباء روحانی سے ہجر و فراق کا صدمہ تھا۔اس سے پہلے بھی آخری درسوں میں جب ایک ایک کتاب ختم ہونے کے قریب ہوتی تو دارالحدیث میں آہ و گریہ کا ایک عجیب منظر ہوتا تھا۔بعض طلباء تو شدت غم سے بے ہوش ہوجاتے تھے۔مادرعلمی سے جدائی کا تصور ہی روح فرسا تھا۔آخری دنوں میں جا بجا در و دیوار کے ساتھ یہ فضلاء کھڑے رہتے اور بس روتے رہتے۔یہ کیفیات دارالعلوم کی خصوصیت ہیں۔

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم پر سال کے درمیان فالج کا شدید حملہ ہوا تھا۔جس کی وجہ سے وہ بقایا اسباق نہ پڑھا سکے۔اور دیگر اساتذہ نے ان کی کتابیں پڑھائیں۔طلباء کے شدید اصرار پر حضرت مفتی صاحب باوجود انتہائی تکلیف کے آنے پر آمادہ ہوئے تھے۔انہوں نے آتے ہی طلباء کو احادیث کی اجازت فرمائی۔اور دعا مانگی۔اسکے بعد مہتمم جناب حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے بخاری شریف کے آخری حدیث کا درس دیا۔ بعد ازاں اسلامی تحریک طالبان کے مرکزی رہنما مولانا احسان اللہ نے بڑے موثر پیرائے میں تحریک کے مقاصد اھداف اور اب تک کی پیش رفت پر روشنی ڈالی۔انہوں نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ ہم شریعت سے سر مو انحراف نہیں کریں گے دنیا ہماری حکومت کو تسلیم کرے یا نہ کرے۔ہم اپنے مقاصد سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں تسلیم کرلیا تو اب ہمیں کسی اور سے خود کو تسلیم کرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔آج ساری دنیا ہماری مخالفت پر اتر آئی ہے۔اور پروپیگنڈے کا یہ طوفان

کھڑا کیا ہے ہے کہ ہم نے عورتوں کی تعلیم پر پابندی لگادی ہے ۔اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہو رہی ہے ۔۔۔ہم عورتوں کی تعلیم کے مخالف نہیں ہیں لیکن شریعت نے کچھ حدود متعین کی ہیں جن کی پابندی بہر حال کرنی پڑے گی ۔۔۔۔ تقریر کے آخر میں انہوں امیر المومنین حضرت مولانا محمد عمر مد ظلہ کے حق میں تمام حاضرین جلسہ سے بیعت لی سب نے نہایت پر جوش انداز میں دونوں ہاتھ اٹھا کر بیعت کرلی۔

چونکہ وقت بہت مختصر تھا لہذا چند ہی زعماء کو اظہار خیال کا موقع مل سکا ۔بعد ازاں پہلے حفاظ کرام کی دستار بندی کی گئی اسکے بعد فضلائے کرام کا نمبر آیا ۔امسال طلباء دورہ حدیث کا پہلا سالانہ تعارفی مجلہ (الرابطہ) شائع کیا گیا تھا جس میں اساتذہ دورہ ، حدیث کے سوانحی حالات ، دارالعلوم کی مختصر تاریخ اور شرکاء دورہ ، حدیث کی مکمل فہرستیں اور پتے اور دیگر مضامین شامل تھے ۔انہی فہرستوں کی ترتیب سے ہر فاضل کا نام مع ولدیت کے پکارا جاتا اور اساتذہ ومشائخ اس کی دستار بندی فرماتے ۔حضرت مولانا عبدالحق کے پوتے اور حضرت مولانا سمیع الحق کے فرزند حافظ راشد الحق کو حضرت مولانا عبدالحق کی مبارک دستار بندھوائی گئی ۔یہ سلسلہ کوئی ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہا ۔ آخر میں حضرت مولانا محمد نبی محمدی نے دعائیں مانگیں ۔اور اس کے بعد مبارکبادی کا سلسلہ شروع ہو گیا ۔اپنے عزیزوں اور یار دوستوں کو نوٹوں کے ہار پہنائے جانے لگے ۔ آنکھوں میں آنسو اور دل خوشی سے لبریز تھے ۔زندگی کا ایک سنگ میل عبور کیا جاچکا تھا اور ایک نیا سفر منتظر تھا ۔۔۔۔۔۔یہ سلسلہ رات گئے تک جاری رہا۔

وزیر اعظم پاکستان جناب ملک معراج خالد کی دارالعلوم آمد

٦۔دسمبر کو بعد نماز جمعہ نگران وزیر اعظم ملک معراج خالد صاحب دارالعلوم تشریف لائے ۔پہلے وہ مولانا سمیع الحق صاحب کی رہائش گاہ پر گئے اور ان سے ملکی امور پر گفتگو ہوئی ۔اسکے بعد دارالعلوم تشریف لائے اور ایوان شریعت کا معائنہ کیا ۔ وہاں پر آپ نے طلباء سے مختصر خطاب بھی فرمایا ۔جس میں دارالعلوم کی ملکی سطح پر دینی اور سیاسی خدمات کو سراہا ۔ آپ نے علماء کرام پر زور دیا کہ ملک کو موجودہ بحرانی کیفیت سے نکالنے کیلئے اپنا بھر پور کردار ادا کریں ۔ آپ کے خطاب سے قبل مولانا سمیع الحق صاحب نے مختصر سپاس نامہ پیش کیا ،جس میں ان کی آمد کا شکریہ ادا کیا ۔اور ملک کے اندر جاری احتساب کو موثر بنانے کی اپیل کی ۔

طالبانِ افغانستان

- جنہوں نے صدیوں بعد خلافتِ راشدہ کی طرز پر واحد اسلامی حکومت قائم کی۔
- جنہوں نے تنفیذِ اسلام کے مقابلہ میں داخلی، خارجی، فوجی واقتصادی عالمی دباؤ کو ٹھکرا دیا۔
- جن کی حکومت کو صرف اس جرم میں تسلیم نہیں کیا جارہا کہ انہوں نے خالص اسلام عملاً نافذ کیا ہے
- جنہوں نے بھارت اور اُس کے اتحادی رُوس کو کابل سے نکال باہر کیا۔
- جنہوں نے بائیس صُوبوں کو اللہ کی بغاوت ونافرمانی سے پاک کر کے امن کا گہوارہ بنادیا۔
- جن کے گورنر، کمانڈر اور وُزراء تنخواہ کے بغیر فی سبیل اللہ کام کرتے ہیں۔
- جنہوں نے چودہ سالہ عظیم الشان جہاد کے ثمرات کو ضائع ہونے سے بچالیا۔
- جن کا جہاد فی سبیل اللہ اس وقت دُنیا میں جاری تمام انواع جہاد سے افضل ومُقدس ہے
- جن کے ساتھ فوجی، اقتصادی، اخلاقی ہر طرح کی مدد تمام اہلِ اسلام پر فرض ہے۔
- جن کے ساتھ تعاون بیک وقت مجاہدین، مُہاجرین ویتامیٰ ومساکین اور بیوگان کے ساتھ تعاون ہے،
- جن کو کُفار کی نہیں مُسلمانوں کی مدد درکار ہے جو مُسلمانوں کی اپنی ضرورت ہے۔
- جو زکوٰۃ، عُشر و دیگر صدقاتِ واجبہ ونافلہ کے اعلیٰ مصرف وبہترین مُستحق ہیں۔

تعاون کی صُورتیں: ① نقد رقوم ② سردی سے بچاؤ کے لئے فی الفور گرم لباس، کوٹ، بوٹ، کمبل ③ تمام غذائی اجناس ④ مریضوں کا علاج، ہسپتال اور دوائیں ⑤ مساجد ومدارس کی تعمیرِ نو اور تعلیمی کتابیں

نقد رُقوم: افغان سفیر مُفتی محمد معصوم - اکاؤنٹ ۹۱-۸۳۲۵ CDA حبیب بینک سیکٹر اسلام آباد

غذا، لباس، دواء وغیرہ:

شہر		فون
اسلام آباد	افغان سفیر مُفتی محمد معصوم	دفتر ۸۲۲۵۰۵ - ۸۲۱۸۹۱ / گھر ۸۲۲۵۰۲ ،۰۵۱
کراچی	افغان کونسلیٹ مولوی محمد عبداللہ	دفتر ۵۸۳۲۶۳ / گھر ۵۸۸۲۳۳۳ ،۰۲۱
کوئٹہ	افغان کونسلیٹ مولوی نجیب اللہ	دفتر ۹۲۰۲۵۴۶ / گھر ۸۴۳۳۶۴ ،۰۸۱
پشاور	افغان کونسلیٹ مولوی شہاب الدین	دفتر ۸۴۲۴۸۶ / گھر ۸۴۳۳۸۹ ،۰۵۲۱

دار العلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک

Regd.no.P90Monthly.AL HAQ Akora Khatak